جامعہ حقانیہ کا ترجمان

الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

مجلّہ

ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۳۰ھ نومبر ۲۰۰۹ء

بانی جامعہ: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۳۰ھ نومبر ۲۰۰۹ء

تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے قانون میں ترمیم نہ کی جائے	مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم	3
درس قرآن کریم.....	// // //	12
درس حدیث.....	مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ	16
ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ.....	از قلم حضرت مفتی محمد حسن امرتسری رحمہ اللہ	18
اصلاحی مکاتیب.....	فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ	20
حلالہ قرآن وسنت کی روشنی میں.....	فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ	22
نمائندگان اشاعۃ التوحید والسنۃ کی تحریر کا تحقیقی جائزہ...	مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم	31
احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج تحقیقی جائزہ....	مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی	41
تعارف کتب.....	ع،ن،ت	46
اخبار الجامعہ.....	مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی	47

☆☆☆☆☆☆☆

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے قانون میں ترمیم نہ کی جائے

گورنر پنجاب جناب سلیمان تاثیر کا حالیہ بیان نہایت افسوسناک اور خطرناک ہے جس میں انہوں نے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے قانون میں ترمیم کا عندیہ ظاہر کیا ہے اس بیان سے نہ صرف پاکستان کے کروڑوں مسلمانوں کے دل مجروح ہوئے بلکہ عالم اسلام اور پوری دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کو نا قابل بیان تکلیف پہنچی۔

جس مسئلہ پر پوری امت مسلمہ متفق ہے اور جس کیلئے انہوں نے پوری جدوجہد اور سرتوڑ کوشش کی اور انتہائی مشکلات کے بعد ملک کی اسمبلی نے جس قانون کو پاس کیا، نہایت افسوس کا مقام ہے کہ اب اسے محض غیر مسلموں کی خوشنودی اور اپنے آقاؤں کو راضی کرنے کیلئے بدلنے کی مذموم سازش کی جارہی ہے جو کسی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے مسلمان کیلئے کسی صورت بھی گوارا نہیں ہے، مسلمان اپنے آقا اور پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ذوات مقدسہ کی حرمت، عظمت اور عزت وناموس کیلئے اپنے خون کے آخری قطرہ تک بہانے کو اپنے لئے سعادت سمجھتے ہیں، کماقیل :

فان ابی ووالدتی وعرضی لعرض محمد منك الوقاء

اس لئے تحفظ ناموس رسالت ﷺ کے قانون میں حکومت کسی طرح کی تبدیلی، ترمیم کا تصور کئے بغیر اپنے اس ارادہ سے باز رہے تو زیادہ بہتر ہے۔ کاش کہ حکومت ملک کو درپیش بہت سے مسائل اور اہم معاملات کے حل کیلئے اپنی کوشش کرتی تاکہ اس سے وطن اور اہالیان وطن کو فائدہ پہنچتا لیکن افسوس کہ اس نے بلاوجہ تحفظ ناموس رسالت ﷺ قانون میں ترمیم کا عندیہ دے کر ایک نیا مسئلہ کھڑا کردیا جو کسی طرح بھی مناسب نہیں، اس لئے ہماری گذارش ہے کہ حکومت اس مسئلہ کو نہ چھیڑے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کی ترمیم کی بات کرے بلکہ ملک وملت

کو درپیش دیگر اہم مسائل کو حل کرنے کے فریضہ سے سبکدوشی حاصل کرے۔

جہاں تک حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خاص کر سرور دو عالم ﷺ کی توہین و گستاخی کا معاملہ ہے تو بلا شک وشبہ اس میں امت مسلمہ میں کبھی دو رائیں نہیں ہوئیں، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور آپ ﷺ کی توہین کا مرتکب مرتد اور واجب القتل ہے اور شاتم رسول کی سزا قتل ہے حضرات علماء کرام اور مذاہب اربعہ کے حضرات نے ہر دور میں اس مسئلہ پر کتابیں تحریر فرمائی ہیں جن میں دلائل و براہین کے انبار لگا دیئے ہیں۔

چنانچہ علامہ قاضی عیاض مالکی کی الشفاء فی تعریف حقوق المصطفٰی، علامہ ابن تیمیہ حنبلی کی الصارم المسلول علی شاتم الرسول، علامہ تاج الدین السبکی الشافعی کی السیف المسلول علی من سب الرسول، علامہ ابن عابدین شامی حنفی کی تنبیہ الولاۃ والحکام علی شاتم خیر الانام او احد الصحابۃ الکرام قابل ملاحظہ ہیں۔

ارتداد کی شرعی سزا قتل ہونے پر دلائل کیلئے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی الشہاب لرجم الخاطف المرتاب، مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی طریق السداد فی عقوبۃ الارتداد، حضرت علامہ محمد ادریس کاندھلوی کی احسن البیان کا مطالعہ بے حد مفید ہے، حضرت اقدس والد ماجد فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہ نے الانسداد لفتنۃ الارتداد کے نام سے اس موضوع پر نہایت نافع اور جامع رسالہ تحریر فرمایا ہے، یہ رسالہ مفیدہ اب ''گستاخ رسول اور مرتد کی شرعی سزا'' کے نام سے حال ہی میں دوبارہ شائع ہو چکا ہے، ہم ذیل میں نہایت اختصار کے ساتھ اس کے چند ضروری اہم اقتباسات ہدیہ قارئین و ناظرین کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نافع و مفید بنائیں اور گم گشتگان راہ ہدایت کیلئے ان کو ہدایت کا سبب بنائیں آمین، وما ذلك على الله بعزيز۔

(اقتباس ۱) بارگاہ رسالت ﷺ میں تنقیص وتوہین اور گستاخی کا شرعی حکم

جو شخص حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے کسی بھی نبی علیہ السلام کی شان میں ادنیٰ سے ادنیٰ گستاخی کرے وہ بھی بالاجماع کافر اور مرتد ہے۔

(۱)علامہ ابن حزم القرطبی الظاہری اپنی کتاب الفصل میں لکھتے ہیں:صح بالنص ان کل من استھزأ باللہ او بملك من الملائکة اوبنبی من الانبیاء علیھم السلام او بآیة من القران او بفریضة من فرائض الدین فھی کلھا آیات اللہ تعالیٰ بعد بلوغ الحجة الیه فھو کافر(ازاحسن البیان)

(قرآن کریم کی)تصریح سے یہ ثابت ہے کہ جوشخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا کسی فرشتہ یا نبی یا کسی آیت یا کسی فرض کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کرے وہ قطعاً کافر ہے۔

(۲)علامہ قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال محمد بن الامام سحنون اجمع العلماء علیٰ ان شاتم النبی صلی اللہ علیه وسلم والمتنقص له کافر مرتد لسبه والوعید الذی مر علیه جارعلیه لشموله له بعذاب اللہ له لقوله تعالیٰ لھم عذاب الیم فی الایة وحکمه عند الامة ای امة الاجابة القتل ومن شك فی کفره وعذابه کفر لان الرضا بالکفر کفر ولتکذیبه القران فی قوله تعالیٰ والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم(نسیم الریاض ص۳۷۳ج۴)

علماء نے اتفاق کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کوگالی بکنے والا اور آپ ﷺ کی شان میں تنقیص کرنے والا مرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور وہ وعید اس پر جاری ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب کی کی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا ہے کہ ان توہین انبیاء کرنے والوں کیلئے عذاب دردناک ہے اور ایسے توہین کرنے والے کا انجام امت کے نزدیک قتل ہے جو شخص بھی اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اس لیے کہ کفر پر راضی رہنا بھی کفر ہے اس لیے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے قول کی تکذیب کی والذین یؤذون رسول اللہ لھم عذاب الیم (جولوگ رسول اللہ کو ایذاء دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

(۳)یہودی لوگ ازراہ تمسخر ذومعنی الفاظ سے آپ کو خطاب کیا کرتے تھے بعض مسلمان بھی ازراہ ناواقفیت لفظ راعنا کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو خطاب کرنے لگے تھے اس پر یہ آیت

نازل ہوئی یایھا الذین امنوا لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا واسمعوا وللکٰفرین عذاب الیم (پارہ ارکوع ۱۳) اے ایمان والو لفظ راعنا نہ کہا کرو (جس کے معنی کہ ہماری رعایت فرماویں لیکن اس میں دوسرے غلط معنی کا احتمال بھی ہے اس کے بجائے) انظرنا (ہماری طرف نظر کرم فرمایئے) کہا کرو اور توجہ سے سنا کرو اور کافروں کے لیے عذاب دردناک ہے۔

اس آیت مبارکہ میں نبی کریم ﷺ کی اشارہ کنایہ سے توہین کرنے والوں کو بھی کافر بتاتے ہوئے دردناک عذاب کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔

(۴) ان الذین یؤ ذون اللّٰہ ورسولہ لعنھم اللّٰہ فی الد نیا والا خرۃ واعد لھم عذا با مھینا (پ۲۲ رکوع ۴) بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذاء دیتے ہیں لعنت ہے ان پر اللہ کی دنیا اور آخرت میں اور ان کیلئے ذلت والا عذاب تیار کیا ہوا ہے۔

(۵) ومنھم الذین یؤ ذو ن النبی ویقو لون ھو اذن (پ۱۰ رکوع ۱۴) اور ان میں سے بعض لوگ ایذاء دیتے ہیں نبی کو اور کہتے ہیں وہ تو کان ہیں۔

(۶) والذین یؤذون رسول اللّٰہ لھم عذاب الیم (پ۱۰ رکوع ۱۴) جو لوگ رسول اللہ کو ایذاء دیتے ہیں ان کے لیے عذاب دردناک ہے ان آیات کریمات میں نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے کو چاہے وہ تعریض کے طور پر اشارہ کنایہ سے کیوں نہ ہو کفر قرار دیا گیا ہے اور آپ ﷺ کو ایذاء پہنچانا خواہ کسی طریقہ سے ہو دنیا اور آخرت میں سبب لعنت اور دردناک ذلت والے عذاب کا موجب قرار دیا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولم یجیء اعد ا د العذاب المھین فی القرا ن الا فی حق الکفا ر (الصارم ص ۵۲) مطلب یہ ہے کہ عذاب مہین ذلت والا عذاب کی تیاری کا ذکر قرآن کریم میں صرف کفار کے حق میں آیا ہے اس سے ثابت ہوا کہ اللہ ورسول کو آدمی کافر اور مرتد ہو جاتا ہے کیونکہ اس موذی کے لیے قرآن کی آیات کریمہ میں عذاب مہین کی تیاری کا ذکر آیا ہے اور یہ عذاب کافروں کے لیے ہی تیار کر رکھا ہے۔

(۷) قل ابا للّٰہ وایتہ ورسو لہ کنتم تستھزء و ن لا تعتذر وا قد

کفر تم بعد ایمانکم (پ ۱۱ رکوع ۱۴) کیا اللہ (تعالیٰ) سے اور اس کے حکموں سے تم ٹھٹھے کرتے تھے بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے ایمان کو ظاہر کرنے کے بعد۔

مطلب واضح ہے کہ خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء کرنا اور احکام الٰہیہ کو ہلکا اور خفیف سمجھنا اگر محض زبان سے دل لگی کے طور پر ہی ہو دل سے نہ بھی ہو تو بھی کفر ہے اور ایمان کے بعد کفر ہی کو ارتداد کہتے ہیں تو مسلمان اگر استہزاء اور دل لگی کا مرتکب ہو گا تو وہ مرتد ہو جائے گا علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی ''الصارم'' میں اس آیت کو اس پر نص قرار دیا ہے کہ اللہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ استہزاء کرنا کفر ہے اور اس آیت میں اس پر بھی دلالت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں تنقیص کرنا ہنسی میں بھی کفر ہے (ص ۳۱)

(۸) ومنهم يلمزك في الصدقات (پ ۱۰ رکوع ۱۳) اور بعضے ان میں وہ ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں خیرات بانٹنے میں۔

لمز کے معنی عیب اور طعن کے ہیں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں وذلك يدل على ان كل من لمزه او اذاه كان منهم (الصارم ص ۳۳) یہ اس پر دلالت ہے کہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کو طعنہ دیتا ہے اور اذیت پہنچاتا ہے وہ منافقین میں سے ہے۔

(۹) ما كان لكم ان تؤذوا رسول الله ولا ان تنكحوا ازواجه من بعده ابدا ان ذلكم كان عند الله عظيما (پ ۲۲ رکوع ۴) اور تم کو نہیں پہنچتا کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو اور نہ یہ کہ نکاح کرو اس کی عورتوں سے اس کے پیچھے کبھی البتہ یہ تمہاری بات اللہ کے یہاں بڑا گناہ ہے۔

مطلب واضح ہے کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں ہے کہ حضور ﷺ کی حیات یا بعد وفات کوئی ایسی بات کہے یا کرے جو خفیف سے خفیف درجہ میں آپ ﷺ کی ایذا کا سبب بن جائے لازم ہے کہ مسلمان اپنے محبوب ومقدس پیغمبر کی عظمت شان کو ہمیشہ مرعی رکھیں مبادا غفلت یا تساہل سے کوئی تکلیف دہ حرکت صادر ہو جائے اور دنیا وآخرت کا خسارہ اٹھانا پڑے (حاشیہ شیخ الاسلام ص ۵۵۱) (گستاخ رسول اور مرتد کی شرعی سزا ص ۳۲)

(اقتباس ۲)

رسول اللہ ﷺ کے عمل اور فیصلوں سے اس کا ثبوت ہو رہا ہے کہ شاتم رسول کو بغیر حکم حاکم کے بھی اگر قتل کر دیا جائے تو اس پر کسی قسم کا تاوان لازم نہیں۔

(۱) ابوداؤد شریف میں ہے: نا ابن عباس ان اعمی کانت له ام ولد تشتم النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و تقع فیه فینهاها فلا تنتهی و یزجرها فلا تنزجر قال فلما کانت ذات لیلة جعلت تقع فی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم و تشتمه فاخذ المغول فوضعه فی بطنها واتکأ علیها فقتلها فوقع بین رجلیها طفل فلطخت ماهناك بالدم فلما اصبح ذکر ذلك للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم فجمع الناس ..... فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم الا اشهدوا ان دمها هدر (ج ۲ ص ۲۲۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک نابینا کی ام ولد باندی تھی جو نبی کریم ﷺ کو گالیاں دیتی تھی اور آپ کی شان میں گستاخی کرتی تھی، یہ اس کو روکتا تھا مگر وہ رکتی نہ تھی، یہ اسے ڈانٹتا تھا مگر وہ مانتی نہ تھی، جب ایک رات پھر نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنی اور گالیاں دینی شروع کیں تو اس نابینا نے ہتھیار (خنجر) لیا اور اس کے پیٹ میں رکھ دیا اور وزن ڈال کر دبا دیا اور مار ڈالا، عورت کی ٹانگوں کے درمیان بچہ نکل پڑا، جو کچھ وہاں تھا خون آلودہ ہو گیا، جب صبح ہوئی تو یہ واقعہ حضور ﷺ کے یہاں ذکر کیا گیا، آپ نے لوگوں کو جمع کیا (پھر اس نابینا نے کھڑے ہو کر سارا واقعہ سنایا) اور فرمایا لوگو! گواہ رہو اس کا خون بے بدلہ (بے سزا) ہے۔

(۲) اس باندی کے واقعہ کے علاوہ ایک یہودیہ شاتمۂ رسول کا گلا گھونٹ کر مارنے والے کا خون آپ نے معاف فرما دیا (ابوداؤد ص ۲۲۲)

(۳) کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا تفصیلی واقعہ بخاری شریف (ج ۲ ص ۵۷۶) میں ہے۔

(۴) اور ابو رافع یہودی کے قتل کا واقعہ بخاری شریف (ج ۲ ص ۵۷۷) میں ہے۔

(۵) ابن خطل کے قتل کا واقعہ بخاری شریف (ص ۶۱۴) میں موجود ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشاد

(۶) ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۲۳ میں ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھا وہ کسی شخص پر ناراض ہوئے اس نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سخت بات کہی میں نے اس کے قتل کی اجازت مانگی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا لا واللہ ما کانت لبشر بعد محمد علیہ السلام حضور ﷺ کے اب یہ کسی دوسرے کیلئے نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد

(۷) حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو برا کہنے پر کوڑے مارنے کی سزا کا ذکر آیا ہے قتل کی سزا حضرت نبی کریم ﷺ کی ایذاء یا گالی پر ہے، چنانچہ الصارم المسلول میں ہے کہ عن مجاھد قال اتی عمر برجل یسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقتلہ ثم قال عمر من سب اللہ او سب احدا من الانبیاء فاقتلوہ (ص ۴۱۹)

حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جو رسول اللہ ﷺ کو برا کہتا تھا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کو یا انبیاء میں سے کسی کو برا کہے اسے قتل کردو۔

ایسے تمام واقعات اور فیصلوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی اور سب وشتم کرنے کی سزا قتل ہے اور یہ سزا بغیر مقدمہ چلائے بھی جاری کی جاسکتی ہے اور حکم حاکم کے بغیر بھی اگر کوئی شخص شاتم رسول کو قتل کردے تو قاتل پر کچھ سزا نہیں ہے، البتہ بہتر یہی ہے کہ مسلمان حاکم وقت کی عدالت میں باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے اور اس کو توبہ کی مہلت دے اگر توبہ نہ کرے تو قتل کردے۔

حضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کے بارہ میں گذشتہ عبارات کے علاوہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا فیصلہ ذیل میں ملاحظہ ہو:

(۱)ایمارجل مسلم سب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم او کذبہ او عابہ اوتنقصہ فقد کفربااللّٰہ تعالی وبانت منہ امرأتہ فان تاب والاقتل (کتاب الخراج بحوالہ شامی ج ۳ص ۴۰۳)جس مسلمان نے رسول اللہ ﷺ کی توہین کی یا آپ کوجھٹلایا یا آپ پر کوئی عیب لگایا یا آپ کی تنقیص کی تو اس نے بلاشبہ اللہ کے ساتھ کفر کیا اور اس کی عورت اس سے جدا ہوگئی۔

(۲)خلیفہ ہارون رشید نے امام مالک رحمہ اللہ سے آنحضرت ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والے کا حکم دریافت کیا اور یہ بھی کہا کہ بعض علماء عراق نے کوڑے مارنے کا فتویٰ دیا ہے جو شریعت میں قذف یعنی تہمت لگانے کی سزا ہے،امام مالک رحمہ اللہ اس سزا کو سنتے ہی برہم ہوگئے اور نہایت غصہ کے لہجہ میں یہ فرمایا مابقاء ھذہ الامۃ بعدشتم نبیھا من شتم الانبیاء قتل ومن شتم اصحاب النبی جلد ،اس امت کی کیا زندگی ہے جس کے نبی پر گالیاں دی جارہی ہوں، جو شخص انبیاء کرام کو گالیاں دے اس کو قتل کیا جائے اور جو شخص صحابہ کو گالیاں دے اس کو تعزیری کوڑے لگائے جائیں۔

علامہ خفاجی رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

فلایحل لاحدسمعہ الا قتل قائلہ اوبذل روحہ فی جھادہ (نسیم الریاض ص ۳۹۹) کسی کیلئے روانہیں کہ نبی کی شان میں گستاخی سنے، بجز اس کے کہ یا تو اس گستاخ کی جان لے لے یا اپنی جان خدا کی راہ میں دے دے۔

اورعلامہ شامی رحمہ اللہ شاتم رسول کے کفراور مباح الدم ہونے پر ائمہ کا اجماع نقل کرنے میں فرماتے ہیں:

لاشك ولاشبھۃ فی کفرشاتم النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وفی استباحۃ قتلہ وھو المنقول عن الائمۃ الاربعۃ وانماالخلاف فی قبول توبتہ اذا اسلم فعندنا وھوالمشھورعندالشافعیۃ القبول وعندالمالکیۃ والحنابلۃ عدمہ بناء علی ان قتلہ حد اولا (شامی ج ۳ص ۴۰۶)شاتم رسول کے کفراور قتل کے

جائز ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، چاروں اماموں سے یہی منقول ہے، خلاف صرف اسلام کے بعد اس کی توبہ قبول ہونے میں ہے، ہمارے نزدیک قبول ہے اور یہی شافعیہ کے نزدیک مشہور ہے، اور مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک قبول نہیں، اس اختلاف کی بنیاد اس پر ہے کہ شاتم رسول کا قتل حد ہے یا نہیں۔

غرضیکہ تمام علماء کرام اور فقہاء اسلام کا شاتم رسول کے قتل پر اتفاق اور اجماع ہے، قرآن کریم اور احادیث رسول ﷺ سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ (گستاخ رسول اور مرتد کی شرعی سزا ص ۴۹)

مذکورہ بالا اقتباسات سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ گستاخ رسول مرتد اور واجب القتل ہے لہٰذا حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کی شرعی سزا نافذ کرے اور اس میں کسی لیت ولعل سے کام نہ لے۔ **فقط** واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۲۵ رشوال المکرم ۱۴۳۰ھ

وفیات

۲ رشوال المکرم ۱۴۳۰ھ بروز منگل حضرت خلیفہ جی حافظ اعجاز احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہو اور جناب مولانا ارشاد احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیوہ حافظ قاری عبدالغفور تھانوی مدظلہم کی والدہ ماجدہ کراچی میں انتقال فرما گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ نہایت دیندار اور نیک خاتون تھیں ان کی اولاد اور پوتوں میں ماشاء اللہ بعض حضرات حافظ قاری اور عالم ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرماویں اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازیں، آمین۔

حضرت علامہ علی شیر حیدری مرحوم ایک جید عالم دین نہایت فاضل اور کامیاب مدرس تھے اپنے مؤقف کو انہوں نے ہمیشہ دلائل سے ثابت کیا حضرات صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کے دفاع اور تحفظ کیلئے انکی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ افسوس کہ گذشتہ ماہ انہیں شہید کر دیا گیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرماویں اور پسماندگان کو صبر و اجر عطا فرمائیں آمین۔

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعجاز قرآنی کی تشریح

اس اجمالی بیان کے بعد آپ کو یہ معلوم کرنا ہے کہ قرآن کریم کو کس بناء پر آنحضرت ﷺ کا معجزہ قرار دیا گیا اور اس کا اعجاز کن کن وجوہ سے ہے اور کیوں ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہوگئی۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ چودہ سو برس کے عرصہ میں قرآن کی زبردست تحدی (چیلنج) کے باوجود کوئی اس کی یا اس کے کسی ٹکڑے کی مثال پیش نہیں کرسکا، یہ تاریخی حیثیت سے کیا وزن رکھتا ہے، یہ دونوں باتیں طویل الذکر اور تفصیل کی طالب ہیں۔

وجوہ اعجاز قرآنی

پہلی بات کہ قرآن کو معجزہ کیوں کہا گیا؟ اور وہ کیا وجوہ ہیں جن کے سبب ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، اس پر قدیم وجدید علماء نے مستقل کتابیں لکھیں ہیں اور ہر مفسر نے اپنے اپنے طرز میں اس مضمون کو بیان کیا ہے، میں اختصار کے ساتھ چند ضروری چیزیں عرض کرتا ہوں۔

اس جگہ سب سے پہلے غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ یہ عجیب وغریب کل علوم کی جامع کتاب، کس جگہ، کس ماحول میں اور کس پر نازل ہوئی؟ اور کیا وہاں کچھ ایسے علمی سامان موجود تھے جن کے ذریعہ دائرہ اسباب میں ایسی جامع بے نظیر کتاب تیار ہوسکے جو علوم اولین وآخرین کی جامع اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق بہترین ہدایت پیش کرسکے، جس میں انسان کی جسمانی اور روحانی تربیت کا مکمل نظام ہو اور تدبیر منزل سے لے کر سیاست مما لک تک ہر نظام کے بہترین اصول ہوں۔

جس سرزمین اور جس ذات پر یہ کتاب مقدس نازل ہوئی اس کی جغرافیائی کیفیت اور تاریخی حالت معلوم کرنے کیلئے آپ کو ایک ریگستانی خشک اور گرم علاقہ سے سابقہ پڑے گا جس کو بطحاء مکہ کہتے ہیں اور جو نہ زرعی ملک ہے نہ صنعتی، نہ اس ملک کی آب وہوا ہی کچھ ایسی خوشگوار ہے جس کیلئے باہر کے آدمی وہاں پہنچنے کی رغبت کریں، نہ راستے ہی کچھ ہموار ہیں جن سے وہاں تک پہنچنا آسان ہو، اکثر دنیا سے کٹا ہوا ایک جزیرہ نما ہے، جہاں خشک پہاڑوں اور گرم ریگ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا اور دور تک نہ کہیں بستی نظر آتی ہے نہ کوئی کھیت نہ درخت۔

اس پورے خطے میں کچھ بڑے شہر بھی نہیں، چھوٹے چھوٹے گاؤں اور ان میں اونٹ بکریاں پال کر اپنی زندگی گذارنے والے انسان بستے ہیں، اس کے چھوٹے دیہات کا تو دیکھنا کیا جو برائے نام چند شہر کہلاتے ہیں ان میں بھی کسی قسم کے علم وتعلیم کا کوئی چرچا نہیں، نہ وہاں کوئی اسکول اور کالج ہے نہ کوئی بڑی یونیورسٹی یا دارالعلوم، وہاں کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے محض قدرتی اور پیدائشی طور پر فصاحت اور بلاغت کا ایک فن ضرور دیدیا ہے جس میں وہ ساری دنیا سے فائق اور ممتاز ہیں، وہ نثر اور نظم میں ایسے قادرالکلام ہیں کہ جب بولتے ہیں تو رعد کی طرح کڑکتے اور بادل کی طرح برستے ہیں، ان کی ادنیٰ ادنیٰ چھوکریاں ایسے فصیح وبلیغ شعر کہتی ہیں کہ دنیا کے ادیب حیران رہ جائیں۔

لیکن یہ سب کچھ ان کا فطری فن ہے، جو کسی مکتب یا مدرسہ میں حاصل نہیں کیا جاتا، غرض نہ وہاں تعلیم وتعلم کا کوئی سامان ہے، نہ وہاں کے رہنے والوں کو ان چیزوں سے کوئی لگاؤ یا دلبستگی ہے، ان میں کچھ لوگ شہری زندگی بسر کرنے والے ہیں تو وہ تجارت پیشہ ہیں، مختلف اجناس مال کی درآمد برآمد ان کا مشغلہ ہے۔

اس ملک کے قدیم شہر مکہ کے ایک شریف گھرانے میں وہ ذات مقدس پیدا ہوتی ہے جو مہبط وحی ہے، جس پر قرآن اترا ہے، اب اس ذاتِ مقدس کا حال سنئے:

ولادت سے پہلے ہی والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، پیدا ہونے سے پہلے یتیم ہوگئے، ابھی سات سال کی بھی عمر نہ تھی کہ والدہ کی بھی وفات ہوگئی، آغوشِ مادر کا گہوارہ بھی نصیب نہ رہا،

شریف آباء واجداد کی فیاضی اور بے مثل سخاوت نے اپنے گھر میں کوئی اندوختہ نہ چھوڑا تھا جس سے یتیم کی پرورش اور آئندہ زندگی کا سامان ہو سکے، نہایت عسرت کی زندگی پھر ماں باپ کا سایہ سر پر نہیں، ان حالات میں آپ نے پرورش پائی اور عمر کا ابتدائی حصہ گذارا جو تعلیم وتعلم کا اصلی وقت ہے، اس وقت اگر مکہ میں کوئی دارالعلوم یا اسکول وکالج بھی ہوتا تو بھی آپ کیلئے اس سے استفادہ مشکل تھا، مگر معلوم ہو چکا کہ وہاں سرے سے یہ علمی مشغلہ اور اس سے دلچسپی ہی کسی کو نہ تھی اسی لئے یہ پوری قوم عرب امیین کہلاتے تھے، قرآن کریم نے بھی ان کے متعلق یہ لفظ استعمال کیا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا کہ آپ ہر قسم کی تعلیم وتعلم سے بے خبر رہے، وہاں کوئی بڑا عالم بھی ایسا نہ تھا جس کی صحبت میں رہ کر یہ علوم حاصل کئے جاسکیں جن کا قرآن حامل ہے، پھر قدرت کو تو ایک فوق العادۃ معجزہ دکھلانا تھا، آپ کیلئے خصوصی طور پر ایسے سامان ہوئے معمولی نوشت وخواند جو ہر جگہ کسی نہ کسی طرح سیکھ ہی لیتے ہیں آپ نے وہ بھی نہ سیکھی، بالکل امی محض رہے کہ اپنا نام تک بھی نہ لکھ سکتے تھے، عرب کا مخصوص فن شعر وادب تھا جس کیلئے خاص خاص اجتماعات کئے جاتے اور مشاعرے منعقد ہوتے اور اس میں ہر شخص مسابقت کی کوشش کرتا تھا، آپ کو حق تعالیٰ نے ایسی فطرت عطا فرمائی تھی کہ ان چیزوں سے بھی دلچسپی نہ لی، نہ کبھی کوئی شعر یا قصیدہ لکھا، نہ کسی ایسی مجلس میں شریک ہوئے۔

ہاں امی محض ہونے کے ساتھ بچپن سے ہی آپ ﷺ کی شرافتِ نفس، اخلاق فاضلہ فہم وفراست کے غیر معمولی آثار، دیانت وامانت کے اعلیٰ ترین شاہکار آپ ﷺ کی ذاتِ مقدس میں ہر وقت مشاہدہ کئے جاتے تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب کے بڑے بڑے مغرور ومتکبر سردار آپ کی تعظیم کرتے تھے اور سارے مکہ میں آپ کو امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ یہ امی محض چالیس سال تک مکہ میں اپنی برادری کے سامنے رہتے ہیں، کسی دوسرے ملک کا سفر بھی نہیں کرتے، جس سے یہ خیال پیدا ہو سکے کہ وہاں جا کر علوم حاصل کئے ہوں گے، صرف ملک شام کے دو تجارتی سفر ہوئے، وہ بھی گنے چنے چند دن کیلئے جس میں اس کا کوئی امکان نہیں۔

اس امی محض ذاتِ مقدس کی زندگی کے چالیس سال مکہ میں اپنی برادری میں اس طرح

گذرے کہ نہ کبھی کسی کتاب یا قلم کو ہاتھ لگایا، نہ کسی مکتب میں گئے، نہ کسی مجلس میں کوئی نظم وقصیدہ ہی پڑھا، ٹھیک چالیس سال کے بعد ان کی زبان مبارک پر وہ کلام آنے لگا جس کا نام قرآن ہے جو اپنی لفظی فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے اور معنوی علوم وفنون کے لحاظ سے محیر العقول کلام ہے اگر صرف اتنا ہی ہوتا تو بھی اس کے معجزہ ہونے میں کسی انصاف پسند کو کیا شبہ رہ سکتا ہے، مگر یہاں یہی نہیں بلکہ اس نے ساری دنیا کو تحدی کی، چیلنج دیا کہ کسی کو اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شبہ ہو تو اس کا مثل بنالائے۔

اب ایک طرف قرآن کی یہ تحدی اور چیلنج اور دوسری طرف ساری دنیا کی مخالف طاقتیں جو اسلام اور پیغمبر اسلام کو شکست دینے کیلئے اپنی مال، جان، اولاد، آبرو سب گنوانے کو تیار ہیں، مگر اتنا کام کرنے کیلئے کوئی جرأت نہیں کرتا کہ قرآن کی ایک چھوٹی سی سورت کی مثال بنالائے، فرض کر لیجئے کہ یہ کتاب بے مثال و بے نظیر بھی نہ ہوتی جب بھی ایک امی محض کی زبان سے اس کا ظہور اعجاز قرآن اور وجوہ اعجاز کی تفصیل میں جائے بغیر بھی قرآن کریم کے معجزہ ہونے کیلئے کم نہیں جس کو ہر عالم وجاہل سمجھ سکتا ہے۔ (معارف القرآن ج ا ص ۱۴۷)

آپ کو مجھ جیسا کوئی پیر نہیں ملے گا

حکیم الامت مجدد ملت محی السنہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ سے ایک شخص نے بیعت کی جو حکومت کے کسی بڑے عہدے پر فائز تھا کچھ عرصہ کے بعد اس مرید نے حضرت کی خدمت میں ایک لاکھ روپے بطور ھدیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجے حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے لاکھ روپے کا منی آرڈر وصول کرنے کی بجائے واپس بھیج دیا، ان صاحب کو ہرگز ہرگز یہ توقع نہ تھی اس نے خط میں لکھا کہ میں نے ایک لاکھ روپے بھیجے جو آپ نے واپس کر دیے آپکو مجھ جیسا کوئی مرید نہیں ملے گا، حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ نے جواب میں لکھا کہ میں نے پیسے واپس بھیج دیے ہیں، آپ کو بھی مجھ جیسا کوئی پیر نہیں ملے گا جو ایک لاکھ روپے کو ٹھوکر مار دے۔

انہی سلف صالحین کی یہ شان تھی کہ دنیا ذلیل ہو کر ان کے قدموں میں جگہ ڈھونڈتی تھی (سبحان اللہ ہمارے حضرات علمائے دیوبند کا کیسا استغناء تھا اللہ تعالیٰ انکی قبور کو نور بنائے، آمین) (باادب بانصیب ص ۱۵۰)

(مرسلہ: مولانا ابو اکرام محمد تصور اقبال لاہور)

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

واقعہ یہ ہے کہ دین کا حاصل بس تین ہی باتیں ہیں (۱) یہ کہ بندہ اپنے کو بالکل اللہ تعالیٰ کا مطیع وفرمانبردار بنادے اور اس کی بندگی کو اپنی زندگی بنالے اور اسی کا نام اسلام ہے اور ارکان اسلام اسی حقیقت کے مظاہر ہیں۔(۲) ان اہم غیبی حقیقتوں کو مانا جائے اور ان پر یقین کیا جائے جو اللہ کے پیغمبروں نے بتلائیں اور جن کو ماننے کی دعوت دی اور اسی کا نام ایمان ہے۔(۳) اور اللہ نصیب فرمائے تو اسلام وایمان کی منزلیں طے کر لینے کے بعد کی تیسری اور آخری تکمیلی منزل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایسا استحضار اور دل کو مراقبہ حضور وشہود کی ایسی کیفیت نصیب ہو جائے کہ اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی فرمانبرداری وبندگی اس طرح ہونے لگے کہ گویا اپنے پورے جمال وجلال کے ساتھ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ہم کو دیکھ رہا ہے اور اسی کیف وحال کا نام احسان ہے۔

اس طرح اس سوال وجواب میں گویا پورے دین کا خلاصہ اور عطر آ گیا اور اسی لئے اس حدیث کو علماء نے ''ام السنہ'' بھی کہا ہے گویا جس طرح قرآن مجید کے تمام اہم مطالب اور مضامین پر بالا جمال حاوی ہونے کی وجہ سے سورہ فاتحہ کا نام ''ام الکتاب'' ہے اسی طرح یہ حدیث اپنی اس جامع حیثیت کی وجہ سے ''ام السنہ'' کہی جانے کی مستحق ہے اور اس کی اسی خصوصیت کی وجہ سے امام مسلم نے اپنی جلیل القدر کتاب صحیح مسلم کو مقدمہ کے بعد اسی حدیث سے شروع کیا ہے اور امام بغوی نے بھی اپنی دونوں تالیفوں مصابیح اور شرح السنہ کا آغاز اسی حدیث سے کیا ہے۔

یہ حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے جس طرح کہ یہاں نقل کی گئی صحیح مسلم میں ہے اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی یہ واقعہ مروی ہے اور دوسری کتب حدیث میں اور بھی چند صحابہ کرام سے یہ واقعہ روایت کیا گیا ہے۔

ارکان اسلام

عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ بنی الاسلام علی خمس شھادۃ ان لا الہ الا اللّٰہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ و اقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم رمضان (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم کی گئی ہے ایک اس حقیقت کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں (کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں) اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں دوسرے نماز قائم کرنا تیسرے زکوٰۃ ادا کرنا چوتھے حج کرنا پانچویں رمضان کے روزے رکھنا (بخاری ومسلم)

تشریح: اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے استعارہ کے طور پر اسلام کو ایک ایسی عمارت سے تشبیہ دی ہے جو چند ستونوں پر قائم ہو اور بتلایا ہے کہ یہ عمارت اسلام ان پانچ ستونوں پر قائم ہے لہٰذا کسی مسلمان کیلئے اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وہ ان ارکان کے ادا کرنے اور قائم کرنے میں غفلت کرے کیونکہ یہ اسلام کے بنیادی ستون ہیں واضح رہے کہ اسلام کے فرائض ان ارکان خمسہ ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں مثلاً جہاد فی سبیل اللہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر وغیرہ لیکن جو اہمیت اور جو خصوصیت ان پانچ کو حاصل ہے وہ چونکہ اوروں میں نہیں ہے اس لئے اسلام کا رکن صرف ان ہی کو قرار دیا گیا ہے اور وہ خصوصیت واہمیت وہی ہے جو پچھلے اوراق میں ''حدیث جبرئیل'' کی تشریح کے ضمن میں لکھی جا چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ''ارکان خمسہ'' اسلام کیلئے بمنزلہ پیکر محسوس کے ہیں نیز یہی وہ خاص تعبدی امور ہیں جو بالذات مطلوب ومقصود ہیں اور ان کی فرضیت کسی عارض کی وجہ سے اور کسی خاص حالت سے وابستہ نہیں ہے بلکہ یہ مستقل اور دوامی فرائض ہیں بخلاف جہاد اور امر بالمعروف کے کہ ان کی یہ حیثیت نہیں ہے اور وہ خاص حالات میں اور خاص موقعوں پر فرض ہوتے ہیں۔

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

جمع وترتیب: حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہ

O فرمایا مولانا روم کے شعر ؎

گر نبودے نالۂ نے راشمر نے جہاں را پر نہ کردے از شکر

اس میں حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے نالہ سے مراد مشائخ کے ملفوظات اور شکر سے مراد حقائق ومعارف۔

O فرمایا اپنے کمالات کا معتقد ہونے میں تواضع کا خلاف نہیں بشرطیکہ کمالات کے معتقد ہونے کے وقت یہ احتمال رہے کہ ممکن ہے کہ اس کے ساتھ ہی مجھ میں کوئی ایسا نقصان اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہو جس کی وجہ سے سب کمالات مردود ہو جائیں اسی طرح جس شخص میں بہت سے نقائص دیکھ رہا ہوں اس میں ممکن ہے کوئی ایسی خوبی اللہ تعالیٰ کو پسند ہو جو سب نقائص پر غالب آجاوے اس کی ایسی مثال ہے جیسا کہ کسی مرد کی دو عورتیں ہوں ایک ذرا بڑھیا ہے مگر وہ اپنے آپ کو زیور اور کپڑوں اور تیل مسی وغیرہ سے خوب آراستہ رکھے اور اسی مرد کی دوسری بیوی جوان ہو جو سادی اور میلے کپڑوں میں رہتی ہو مگر مرد کو وہ جوان ہی پسند ہوگی اور بڑھیا سے وہ تعلق نہ ہوگا کیونکہ اس میں ایک عیب ہے شیب کا جس نے سب ظاہری کمالات کو مٹا دیا اور جوان عورت کے پاس ایک کمال ہے شباب کا اس نے اس کے سب نقائص کو مٹا دیا۔ سو جس کی نظر شیب اور شباب پر ہوگی وہ دوسرے کمالات اور نقائص کو نظر انداز کر دے گا پس احتمال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے کمالات کا اعتقاد خلاف تواضع نہیں اور تواضع کے لئے یہ ضروری نہیں کہ انسان اپنے کمالات کا معتقد نہ ہو مثلاً ایک شخص عالم ہے تو وہ اپنے آپ کو جاہل کیسے خیال کرے یہ تو خلاف واقع کا اعتقاد ہے انسان اس کا مکلّف نہیں پس اپنے کمالات کا معتقد ہونا تو جائز مگر اپنی فضیلت کا معتقد ہونا جائز نہیں اور اگر اپنے آپ میں کوئی عیب معلوم نہ ہو جس کا استحضار کرے تو اتنا احتمال کافی ہے کہ ممکن

ہے کہ میرے اندر کوئی عیب ہو جو مجھ کو معلوم نہیں اسی طرح جب دوسرے میں عیوب ہی عیوب نظر میں آویں تو یہ احتمال رکھے کہ ممکن ہے اس میں کوئی ایسی نیکی ہو جو مجھ کو معلوم نہ ہو بس تواضع کے لئے اتنا کافی ہے غرض اپنے کمالات کا معتقد ہو تو حرج نہیں اپنی فضیلت کا معتقد نہ بنے۔

O ایک شخص نے دعا کی درخواست کی فرمایا مقاصد دو قسم ہیں ایک غیر اختیاری جیسا بارش وہاں صرف دعا ہی کافی ہے اور ایک اختیاری جیسے زراعت تجارت وغیرہ یہاں دعا کا اثر یہ ہے کہ اس کی تدبیر میں برکت ہو جاتی ہے اس لئے تدبیر بھی کرنا چاہئے۔

ایک لڑکے نے تعویذ کی درخواست کی تو تعویذ لکھ کر فرمایا اے لڑکے تعویذ لے خواہ صلح سے خواہ لڑ، کے (کاتب الحروف عرض کرتا ہے اس میں صنعت تجنیس کی طرف اشارہ ہے)

O فرمایا علماء کی فضیلت مکتسب نہیں من جانب اللہ ہے کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتی جیسا بعضے بددین اس کی کوشش کرتے ہیں۔

O فرمایا حضرت نبی کریم ﷺ میں مختلف شیون تھی اسی لئے آپ کے احکام مختلف ابواب کے ہیں چنانچہ ایک شان مشورہ کی بھی تھی حدیث الواحد شیطان والاثنان شیطانان والثلثة رکب اوجماعة یہ بھی مشورہ کی شان سے ناشی ہے اس طرح پر یہ منسوخ نہ ہوگا۔

O فرمایا جب حق تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق ہو جاتا ہے تو اسکی طرف سے نصرت ضرور ہوتی ہے اور نصرت کا وہ معنی نہیں جو بندہ سمجھے بلکہ نصرت کبھی بہ شکل راحت ہوتی ہے کبھی بہ شکل مرض جیسے طبیب کا کام نصرت کرنا ہے مگر کبھی مسہل سے اور کبھی مفرحات سے کبھی اپریشن سے یہ سب نصرت ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اس میں دل مشوش نہیں ہوتا اس میں سکون ورضا کی شان ہوتی ہے اور اس کا احساس بھی اس کو ہوتا ہے۔

O فرمایا حدیث میں کچھ اطلاقات عوام کے محاورہ کے مطابق بھی ہیں الف حرف ولام حرف ومیم حرف کیونکہ عوام کلمہ کو یہی حرف ہی کہہ دیتے ہیں اس لئے ہر جگہ درسی اصطلاحات جاری نہ کرنا چاہئے جس پر شبہ ہو کہ الف تو مثلاً اسم ہے حرف نہیں ہے البتہ مسمی اس کا بے شک حرف ہے مگر وہ حدیث میں مراد نہیں کیونکہ مقطعات میں وہ تو نہیں پڑھا جاتا۔

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

اصلاحی مکاتیب

سالکین کے خطوط اور حضرت فقیہ العصر رحمہ اللہ کے جوابات

حال: اری قلبی فی الصلوٰۃ غافلاو ملیثا بالوساوس واجد نی وقد ملت المتاع الدنیا واذاحاولت رد نفسی وجد ت ذالك عسیرًا۔

ارشاد: فاذکری ایۃ قویل للمصلین الذین ھم عن صلوٰتھم ساھون وغیرھا من الأیات مثلاو ماھذہ الحیوۃ الدنیاالالھو ولعب وان الدارالآخرۃ لھی الحیوان لوکانوا یعلمون ومامتاع الحیوۃ الدنیاالاقلیل ۔

حال: ھل الوحدۃ خیرفی المدرسۃ ام مصاحبۃ من بہ خیر؟۔

ارشاد: الجلیس الصالح خیرمن الوحدۃ والوحدۃ خیرمن الجلیس السوء ۔

حال: حضرت دلی کیفیت اورحالات کیابیان کروں مجھے اپنے دل میں کوئی کیفیت نظر ہی نہیں آتی ،سکون کی کیفیت ہے۔

ارشاد: یہ بھی کیفیت ہے مگر کیفیات مقصود ہی نہیں اگر چہ محمود ہیں۔

حال: معمولات پر پابندی نہیں ہوتی ہے۔

ارشاد: اسی طرح کرتے رہیں۔

حال: فی الحال قرآن کریم دیجہ ناظرہ کا شعبہ پڑھا رہا ہوں ۔

ارشاد: خیر کم مَن تعلّم القران وعلّمہ۔

حال: حضرت مجھ سے دین یا علم دین کا کوئی کام نہیں ہو رہا ہے جس کی وجہ سے پریشان ہوں

ارشاد: پریشانی کی کوئی وجہ نہیں قرآن کریم کی خدمت کرتے رہیں ۔

حال: جب یہ خیال آتا ہے کہ جناب والا جسمانی طور پر کمزور ہو گئے ہیں نہ معلوم میرا سلوک ادھورا رہ جائے گا تو بہت قلق ہوتا ہے۔

ارشاد: نہیں، اصل مربی اللہ تعالیٰ ہیں وہ حی وقیوم ہیں کوئی اور ذریعہ بنا دیں گے۔

حال: مجھے وہ طریقہ بتلائیں جس پر عمل کر کے میں آپ کے یہاں سلوک کی تکمیل کر سکوں۔

ارشاد: اطلاع احوال اور پھر اتباع۔

حال: ٹوٹے پھوٹے معمولات کر رہا ہوں۔

ارشاد: بڑی نعمت ہے۔

حال: اگرچہ ہمارے کام بھی وقت ضائع کرنے کے برابر ہیں۔

ارشاد: مگر پھر بھی اس کو غنیمت سمجھیں اور اس پر شکر کریں۔

حال: حضرت جب کبھی بازار وغیرہ جانا ہوتا ہے تو لوگوں کی ڈاڑھی منڈی ہوئی اور لباس وغیرہ خلاف سنت دیکھتا ہوں تو دل میں کڑھن اور ناگواری ہوتی ہے۔

ارشاد: یہ تو ادنیٰ ایمان کی علامت ہے فان لم یستطع فبقلبه ولیس وراء ذالك من الایمان مگر دوسرے کی تحقیر دل میں نہ آئے یعنی اپنے اختیار سے۔

حال: نیک لوگ اور خصوصاً اولیاء اللہ اور امور دینیہ سے بے حد محبت ہے۔

ارشاد: بڑی نعمت اور کلید سعادت ہے۔

حال: یہ سلسلہ جناب والا سے تعلق کا اثر ہے۔

ارشاد: اور سلسلہ اشرفیہ امدادیہ کی برکت ہے۔

حال: تعلقات سے دل گھبراتا ہے فضول کسی سے ملاقات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔

ارشاد: اچھی بات ہے مگر خشکی نہ ہو نرمی سے عذر کر دیا جائے اور اس کو اپنے مرض کا علاج سمجھا جائے۔

حال: یوں چاہتا ہوں کہ دل میں صرف حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کی محبت ہی رہے انہی کی عظمت ومحبت دل میں چھائی رہے۔

ارشاد: یہ اصل ہے باقی اہل حقوق کی محبت اللہ تعالیٰ کے حکم کا امتثال اور طبیعت کا اقتضاء ہے۔

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حلالہ قرآن وسنت کی روشنی میں

(قسط ۱)

حلالہ کی حقیقت سمجھنے میں عام طور پر غلطی ہورہی ہے اوراچھے اچھے لکھے پڑھے اور قانون دان لوگوں کو بھی مغالطہ ہورہا ہے، اس کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے عام طور پر اس کو معیوب اور قبیح سمجھا جارہا ہے، اسی لئے اس کے بارہ میں اکثر اخباروں میں جو بحثیں آرہی ہیں علمی اور تحقیقی نہیں ہوتیں عامیانہ اور سطحی انداز کی ہی ہوتی ہیں، اس وجہ سے اس کی ضرورت محسوس ہوئی اور بعض احباب نے بھی توجہ دلائی کہ ''حلالہ'' کے بارہ میں کچھ لکھنا چاہئے، میں نے عام مسلمانوں کی اطلاع کیلئے عنوان بالا کے تحت حلالہ کی حقیقت اوراس کی شرعی حیثیت کے واضح کرنے کیلئے یہ مختصر مضمون لکھنے کا ارادہ کیا ہے اور مقصد صرف یہ ہے کہ عام طور پر حلالہ کے بارہ میں جو غلطی عام مسلمانوں میں پھیلی ہوئی ہے یا پھیلائی جارہی ہے اس کی حقیقت کو معلوم کرکے وہ رفع ہوجائے اوراس کی صحیح شرعی حیثیت کا علم ہوکر جہالت کے گڑھے سے نکلیں۔

حقیقت حلالہ

حلالہ کی حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک مجلس میں یا کئی مجلسوں میں ایک لفظ سے یا کئی لفظوں سے دے دے تو وہ عورت اس طلاق دینے والے پر حرام ہوجاتی ہے اوراب اس کے ساتھ اس کا دوبارہ نکاح کرنا بھی حلال نہیں رہا، یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے، قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے، ارشاد ہے: فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره (پ۲)

تین طلاقوں کے بعد یہ عورت اس مرد کے حق میں ایسی نہیں رہی جیسی دوسری عورتیں ہیں کہ بجز خاص رشتوں کے کہ جن کی حرمت ''حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم الايه

اوراحادیث میں بیان کردی گئی سب سے نکاح حلال ہے، تین طلاقوں سے پہلے یہ اس کیلئے حلال تھی مگراب ان حلال عورتوں میں سے جن کا بیان فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلث ورباع الایہ میں فرمایا گیا ہے اس کا حکم علیحدہ بیان کردیا گیا کہ اب یہ تین طلاقوں کے بعد عام عورتوں کی طرح نہیں رہی کہ اس مرد کا ان سے نکاح حلال ہے مگر اس عورت سے حلال نہیں رہا اور یہ حلت کی نعمت اس سے اس کے تین طلاق دینے کے بعد چھین لی گئی ہے اور نکاح کے بارہ میں اس کی آزادی کو محدود کردیا گیا ہے کہ پہلے بجز چند رشتوں کے سب عورتیں حلال تھیں اس کو ان میں سے کسی سے بھی نکاح کی اجازت تھی جن میں یہ عورت شامل تھی، چنانچہ نکاح ہوا مگر اس نے اس نعمت کی بے طرح ناقدری کی اس لئے اب اس سے یہ آزادی نکاح سلب کرلی گئی اور اس کو اختیار نہیں رہا کہ براہ راست اس عورت سے نکاح کرے نہ اس عورت کو یہ اختیار رہا کہ دوسرے شوہر سے نکاح کئے بغیر اس سے نکاح کرے۔

اب یہ دونوں مرد وعورت آزاد ہیں جس جگہ چاہیں اپنا اپنا نکاح کریں یا نہ کریں، ہاں مگر عورت نے عدت کے بعد کسی جگہ نکاح کرلیا اور وہاں آباد ہوگئی اور مرد وعورت کے مصالح کا تقاضا ہوا کہ وہ دوبارہ باہم رشتہ زوجیت میں منسلک ہوں اور عورت پر کسی طرح کا جبر واکراہ بھی نہ ہو تو پہلے مرد کیلئے اس عورت کے حلال ہونے کی چونکہ شرط پالی گئی جس کو قران کریم نے فلاتحل له من بعدحتی تنکح زوجاغیرہ سے بیان فرمایا ہے، اس لئے باہم رضامندی کے ساتھ پہلے مرد سے نکاح حلال ہے اور وہ حرمت جوان دونوں میں تین طلاقوں کی وجہ سے واقع ہوئی تھی وہ مرتفع ہوگئی، اب اگر وہ دوسرا شوہر طلاق دے دے یا اس کی موت واقع ہوجائے تو بعد عدت کے اس مرد کو اس عورت سے نکاح حلال ہوجاتا ہے۔

یہ ہے حلالہ کی حقیقت جس کو قرآن کریم اور احادیث میں بیان فرمایا ہے نہ اس میں کسی پر جبر واکراہ ہے نہ ہی کوئی سزا کا عمل ہے جو عورت کو دی جارہی ہے، جس پر ہمارے دانشور بے سمجھے سوچے یہ فقرہ کس رہے ہیں کہ ''غلطی مرد کی ہے اور اس کی سزا عورت کو دی جارہی ہے''

یہ عجیب طرح کا طنز ہے اول تو غور کرنا چاہئے کہ کیا اپنی مرضی سے شرعی نکاح کرنا

عورت کیلئے سزا ہوتا ہے اور شرعی نکاح کو سزا کہنا حکم قرآن کا کہیں مقابلہ تو نہیں قرار پاتا ؟

اور اگر مان ہی لیا جائے کہ یہ نکاح بطور تعزیر کے مشروع ہوا ہے تو پھر بھی سمجھدار آدمی اس کو مرد کیلئے ہی تعزیر سمجھے گا کہ وہ اپنی منکوحہ مطلقہ کیلئے دوسرے شخص سے کو نکاح کے بعد ہی ہو وطی کو برداشت کرے، یہ بات درحقیقت مرد کیلئے ہی موجب اغاظت ہے اور اسی کیلئے عقوبت ہے۔

جب گواہوں وغیرہ اس کے شرائط کے ساتھ نکاح کیا جائے تو اس نکاح کے نہ ہونے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ پھر اس نکاح کے کرنے کا جبراً حکم نہیں دیا جارہا بلکہ اپنے اختیار سے یہ نکاح کیا جارہا ہے، عورت نہ چاہے تو اس پر کسی کو جبر کا حق نہیں ہے وہ نکاح نہ کرے، لیکن رضامندی سے کئے گئے نکاح کو بھی سزا کہنا کیا ظلم نہ ہوگا؟۔

یہ طریقہ تین طلاق سے ثابت شدہ حرمت کے ارتفاع کیلئے حق تعالیٰ جل مجدہ نے مقرر فرمایا ہے، اوپر کی آیت مبارکہ میں غور کیا جائے کہ حتی تنکح زوجا غیرہ میں نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی جارہی ہے کہ وہ عورت دوسرے شوہر سے خود نکاح کرے لیکن تین طلاقوں کی حرمت اٹھنے کیلئے دوسرے مرد سے صرف نکاح کرلینا کافی نہیں بلکہ جب تک وہ اس سے ہمبستری نہ کرے حرمت نہیں اٹھ سکتی اور نہ ہی پہلے شوہر کیلئے یہ عورت حلال ہوسکتی ہے جبکہ احادیث کثیرہ سے واضح ہے۔

یہ قرآن وحدیث کا بیان ہے اس میں کوئی خفا نہیں کہ دوسرے نکاح اور ہمبستری کے بعد تین طلاقوں کی وجہ سے اس عورت سے نکاح کرنے کی جو حرمت اس مرد پر واقع ہوئی تھی وہ ختم ہوجاتی ہے اور دوسرا شوہر محلل حلال کرنے والا ہوجاتا ہے، اس کو بطور حکم شرعی کے بیان کیا گیا ہے نہ اس کی ترغیب دی گئی نہ اس کے ترک پر ترہیب بیان کی گئی البتہ حکم شرعی بتلا دیا کہ تین طلاقوں کے بعد اگر میاں بیوی پہلے کی طرح رشتہ ازدواج میں منسلک ہونا چاہیں تو اس کیلئے حلال ہونے کا یہ طریقہ ہے اور شوہر ثانی سے نکاح اور ہمبستری کے بعد بھی طلاق پر جبر کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، حاصل یہ ہے کہ نہ تو عورت کو دوسرے شوہر سے نکاح پر مجبور کرنے کا کسی کو اختیار

ہے اور نہ ہی نکاح کے بعد شوہر ثانی کو طلاق پر مجبور کرنے کا کسی کو حق ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ تین طلاقوں کے بعد جو نکاح ہوگا شریعت کے موافق وہ ان کی عدت کے گذارنے کے بعد ہی ہوگا اور اگر بعد میں پہلے شخص سے نکاح ہوگا تو وہ بھی اس کے طلاق یا اس کی وفات کے بعد حسب ضابطہ عدت کے بعد ہی ہوگا اس طرح دو عدتیں گذارنی ہوں گی ایک عدت پہلی تین طلاقوں کی اور دوسری عدت دوسرے شوہر کے طلاق یا اس کی وفات کی جیسی بھی صورت ہوگی یعنی دوسرے نے اگر طلاق دی ہوگی تو عدت طلاق اور اگر اس کی موت واقع ہوگئی ہوگی تو عدت وفات گذارنی ہوگی۔ تین طلاقوں کی وجہ سے جو حرمت نکاح کی واقع ہوئی تھی اس کے ارتفاع اور حلت کا یہ طریقہ قرآن وسنت نے بیان کیا ہے کسی نے اجتہادی طور پر اس کو اختیار نہیں کیا اگر کوئی چاہے تو اس کو اختیار کرلے اس طرح یہ مطلقہ حلال ہوجائے گی۔

حلالہ کی شرعی حیثیت

اس تحریر سے حلالہ کی حقیقت کے واضح ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی شرعی حیثیت بھی معلوم ہوگئی کہ یہ نہ تو فرض وواجب کے درجہ کی چیز ہے اور نہ ہی یہ کوئی معیوب اور ملامت کے قابل فعل ہے جس پر اتنا شور مچایا جارہا ہے بلکہ قرآن وسنت سے ثابت شدہ ایک اختیاری فعل ہے، اس پر اعتراض وانکار قرآن وسنت پر اعتراض وانکار کے مترادف ہوگا جس سے سب مسلمانوں کو پرہیز واجتناب کرنا لازم ہے اور زیادہ تر اعتراض اس کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی ہورہا ہے اس کو غور سے سمجھنا ضروری ہے۔

اب اگر کوئی عورت تین طلاق کے بعد کسی سے نکاح کرتی ہی نہیں تو اس پر نکاح کرنے کیلئے جبر واکراہ کا کسی کو حق نہیں ہے اور اگر وہ اپنی مرضی سے کسی شخص سے نکاح کرلیتی ہے تو پھر اس شخص پر طلاق دینے کیلئے کسی قسم کے جبر کا بھی کسی کو حق نہیں، اس کو اختیار ہے کہ وہ ہمیشہ اس کے گھر میں آباد رہے جیسا کہ اوپر گذرا ہے، نکاح تو ہوتا ہی ہمیشہ کیلئے ہے اس کو مؤقت اور خاص وقت کیلئے کرنا باطل ہے، مگر یہ نکاح مؤقت نہیں ہے یہ نکاح ہمیشہ کیلئے ہے اگر اس میں کسی نے یہ شرط لگادی ہو کہ ایک خاص مدت کے بعد طلاق دیدینا تو یہ شرط فاسد ہوگی اور شرط فاسد سے

نکاح فاسد نہیں ہوتا وہ شرط ہی کالعدم قرار دیدی جاتی ہے، یہ جب ہے کہ اس شرط کی زبان سے بوقت عقد نکاح تصریح کردی گئی ہو اور اگر دل میں ایک مدت معینہ کے بعد طلاق کا خیال رکھ کر نکاح کیا ہو تو اس سے تو شرط فاسد کا بھی تحقق نہیں ہوتا، بہر دو صورت اگر یہ دوسرا شوہر نکاح کے بعد طلاق دیدے یا فوت ہوجائے تو اس کی عدت گذرنے کے بعد اس عورت کو پہلے شوہر سے نکاح کرنا حلال ہے اور جو حرمت تین طلاقوں کی وجہ سے واقع ہوئی تھی اس دوسرے شوہر کی وجہ سے وہ ختم ہوگئی اور اس کیلئے یہ محلل ہوگیا، بشرطیکہ اس نے نکاح کے بعد ہمبستری کرلی ہو۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب من اجاز طلاق الثلاث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

ان رجلا طلق امراته ثلا ثا فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اتحل للاول قال لاحتی یذوق عسیلتها کماذاق الاول (ج ۲ ص ۷۹۱) ایک آدمی نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیں پھر اس نے دوسرے سے نکاح کرلیا (اس نے صحبت کئے بغیر طلاق دیدی) آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ پہلے خاوند کیلئے یہ عورت حلال ہوئی؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تک دوسرا شوہر صحبت نہ کرے پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی۔

یہ حدیث تین طلاقوں کے ایک وقت نافذ ہونے میں بھی ظاہر ہے جیسا کہ شارحین حدیث نے سمجھا ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہورہا ہے کہ شوہر اول کیلئے حلال ہونے کیلئے دوسرے شوہر کا ہمبستری کرنا ضروری ہے، صرف نکاح کرکے بغیر ہمبستری کے طلاق دینے سے پہلے شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی، یہ شرط بتلا کر آنحضرت ﷺ نے پہلے شوہر کی طرف رجوع کرنے کا جواز تو بتلایا مگر رجوع کی خواہش پر ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، یہ حلالہ ہی تو تھا کو شرط طلاق کے ساتھ نہ ہوگا مگر تین طلاق کے بعد اور زوج ثانی سے ہمبستری کے بعد زوج اول کیلئے اس مطلقہ کا حلال ہونا تو ثابت ہورہا ہے، اب حلالہ کی ہر صورت پر اعتراض کرنا حدیث کے یقیناً خلاف ہوگا۔

درمختار میں بھی ہے:

حتی یطأھا غیرہ (ج ۲ص ۳۹۷) یہاں تک کہ دوسرا شوہر اس کے ساتھ ہمبستری کرے۔

حلالہ کی یہ صورت قرآن وسنت سے ثابت ہورہی ہے اس پر آوازے کسنا اور استہزاء کرنا قرآن وسنت سے ناواقفیت کی وجہ سے ہی ہوسکتا ہے۔

حلالہ پر لعنت کا مطلب

اب رہا یہ کہ حدیث لعن اللّٰہ المحلل والمحلل لہ میں ہے کہ حلال کرنے والے اور جس کیلئے حلال کی جائے دونوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

فقہاء کرام نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ دوسرے شخص سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ ہمبستری کے بعد طلاق دیدے گا، اس شرط کی وجہ سے یہ عمل موجب لعنت ہوگا، یہ ایک دوسری صورت ہے اس کو سب ممنوع کہتے ہیں مگر ایک خاص صورت کے ممنوع ہونے سے مطلقاً حلالہ کا انکار بلکہ استہزاء قرآن وسنت کا انکار واستہزاء کرنا ہے۔

درمختار میں ہے:

(وکرہ التزوج للثانی تحریما) لحدیث لعن اللّٰہ المحلل والمحلل لہ بشرط التحلیل کتزوجتك علی ان احللك وان حلت للاول بصحة النکاح وبطلان الشرط فلا یجبر علی الطلاق (شامی ج ۲ص ۳۹۷)

یعنی عقد نکاح کے وقت یہ کہا جائے کہ یہ نکاح اس شرط کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ ہمبستری کے بعد طلاق دیدیں اور مرد بھی اسی طرح کہے کہ میں اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ صحبت کے بعد طلاق دے دوں گا، یہ صورت سخت مکروہ اور موجب لعنت ہے، مگر پھر بھی پہلے مرد کیلئے عورت حلال ہوجائے گی اگرچہ اس شرط کی وجہ سے اس عمل کا سخت گناہ بھی ہوگا، اس طرح شرط کے ساتھ یہ نکاح واجب الترک اور قابل منع اور لائق لعنت ہے مگر نکاح منعقد ہوجائے گا اور یہ شرط باطل ہوجائے گی، نکاح کے بعد وہ شخص اگر چاہے تو ہمیشہ اس عورت کو آباد رکھے اور اس

کوطلاق نہ دے کیونکہ یہ نکاح ہمیشہ کیلئے ہوگیا اور شرط کا کچھ اعتبار نہیں ہے وہ باطل اور کالعدم ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جو چیز ممنوع ہو وہ مؤثر بھی نہ ہو، یہ طریقہ تحلیل ممنوع ہونے کے باوجود مؤثر ہے اور اس سے عورت حلال ہو جاتی ہے اگر چہ گناہ بھی ہوتا ہے اور یہ اسی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس میں لعنت کرنے کے باوجود اس شخص کو جس سے نکاح کیا گیا ہے ''محلل'' حلال کرنے والا بھی کہا گیا ہے، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک ہزار طلاق دینے کو گناہ قرار دیا مگر ان میں سے تین کو مؤثر بھی قرار دیا کہ تین طلاقیں واقع ہوگئیں باقی کا گناہ دینے والے کے سر پر ہے (دار قطنی)

اسی طرح محمود بن لبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

آنحضرت ﷺ کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دیدیں ہیں، آنحضرت ﷺ نے غضبناک ہو کر تقریر فرمائی کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں الخ (نسائی شریف ج ۲ ص ۹۹)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ تین طلاق اکٹھی دینے پر اگر چہ آنحضرت ﷺ غصہ ہوئے مگر ان کو ہدر بے کار نہیں قرار دیا بلکہ مؤثر قرار دیا جبھی تو غضبناک ہوئے ورنہ فرما دیتے کہ کوئی حرج نہیں ہوا رجوع کرلو ایک ہی طلاق واقع ہوئی ہے۔

قاضی ابوبکر ابن العربی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عویمر کی تین طلاقوں کی طرح اس شخص کی بھی تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا تھا (معارف القرآن ج ۱ ص ۵۶۳)

غرضیکہ یہ بات اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ کسی عمل کے موجب غضب ولعن ہونے کے باوجود اس کا غیر مؤثر ہونا ضروری نہیں، ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک امر پر ناراضگی کا اظہار بھی کیا جا رہا ہو مگر وہ مؤثر بھی ہو رہا ہو، اس طرح لعن اللّٰہ المحلل والمحلل لہ میں ہے کہ اس طرح شرط کر کے نکاح کرنا قابل لعنت عمل ہے مگر پھر بھی وہ محلل ہے اس کو محلل قرار دیا جا رہا ہے اگر وہ غیر مؤثر ہوتا تو اس شخص کو محلل کیسے قرار دیا جاتا، محلل تو حلال کرنے والے ہی کو کہتے ہیں وہ

حلال کرنے والا ہے اس کی وجہ سے حلت ثابت ہورہی ہے اسی وجہ سے تو اس کو محلل فرمایا جارہا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اس کے عمل میں ایسی شرط کی وجہ سے جو مقصود نکاح کے خلاف ہے وہ مستحق لعنت وملامت بھی ہے ،مقصود نکاح کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہی اس شرط کو شرعاً نا قابل اعتبار اور باطل قرار دیا جاتا ہے اور اس نکاح کے صحیح ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے شرط فاسد کی وجہ سے نکاح کو فاسد قرار نہیں دیا جاتا ، جب نکاح کو صحیح قرار دیدیا گیا تو پھر وہ مؤثر بھی ہوگا اور اس کا اثر یہی ہے کہ وہ اپنی شرط کے ساتھ پہلے شوہر کیلئے محلل ہوگا اگر چہ شرط فاسد کی وجہ سے گناہ بھی ہوگا،اس طرح اسی حدیث سے حلالہ کا ثبوت بھی ہورہا ہے غور درکار ہے۔

اس حدیث میں محلل زوج ثانی کو کہا گیا ہے اور جس کیلئے حلال کیا جارہا ہے وہ زوج اول ہے فلا تحل له سے اس کیلئے اس عورت کی حرمت ثابت ہورہی تھی دوسروں کیلئے تو وہ حلال ہی تھی الا لمانع شرعی ،اس حدیث میں اس عمل پر لعنت بھی کی جارہی ہے اور دوسرے شوہر کو محلل بھی قرار دیا جارہا ہے اس نکاح کو کالعدم نہیں قرار دیا گیا اور اس کا قابل لعنت ہونا بھی حدیث سے معلوم ہورہا ہے ورنہ نص قرآنی حتی تنکح زوجا غیرہ کے اطلاق سے تو شرط یا بلا شرط ہر طرح کے نکاح کا رافع حرمت مغلظہ ہونا معلوم ہورہا ہے البتہ اطلاق کی وجہ سے نکاح کا صحیح ہونا ثابت ہورہا ہے کیونکہ مطلق سے مراد فرد کامل ہی ہوتا ہے اور نکاح صحیح ہی ہے۔

اس جگہ قابل غور یہ بات بھی ہے کہ اس عمل کے فوائد اور مصالح میں زوج اول محلل لہ اور اس کی مطلقہ دونوں شریک ہوں گے اور طلاق کے مضار اور نقصانات سے دونوں ہی محفوظ ہوں گے اور زوج ثانی کے ایجاب وقبول اور شرط نکاح کا معاملہ بھی مطلقہ کے ساتھ ہی جاری ہوتا ہے، اگر چہ کبھی کبھی بالابا لا بھی شرط کا طے ہونا بھی متصور ہے ،مگر عقد بہر حال مطلقہ اور زوج ثانی کے درمیان واقع ہوتا ہے اور زوج اول اس میں ساعی اور متسبب ہوتا ہے جب زوج اول محلل لہ ہوا اور متسبب ہونے کی وجہ سے لعنت کے قابل ہوا تو عورت تو اس نکاح کی مباشر ہے اس لئے اس پر بھی محلل لہ ہونا صادق ہوگا اور وہ بھی قابل لعنت ہوگی ، کیونکہ اس عمل میں محلل لہ اور محلل دونوں کو ہی قابل لعنت قرار دیا ہے۔

اب اگر المعروف کالمشروط کے قاعدہ کے موافق بغیر شرط کے بھی اس نکاح کے گناہ ہونے کا حکم لگایا جائے تو پھر بھی آئمہ اربعہ بلکہ جمہور امت مسلمہ کے نزدیک تین طلاقوں سے واقع شدہ حرمت مغلظہ کے خلاف عمل پیرا ہونے اور تمام عمر حرمت کا ارتکاب کرتے رہنے سے کیا یہ اخف نہ ہوگا کہ اس عمل مکروہ پر عمل کرنے کی اجازت دی جائے، اس کا تدارک توتو بہ نصوح سے ہوسکتا ہے اور تین طلاقوں کے بعد بغیر حلالہ آباد رکھنے سے ہمیشہ حرام کا ارتکاب ہوتا رہے گا اور اس کا بجز مفارقت کوئی دوسرا تدارک ممکن نہیں ہے اور طالق اس کیلئے تیار نہیں ہے اور اگر بغرض اصلاح اور سد مفاسد بین الزوجین کی غرض سے بغیر شرط کے اس پر عمل کیا جائے گا تو امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ عمل ان کے حق میں موجب لعنت نہ ہوگا بلکہ شاید موجب اجر وثواب ہو اس لئے ہر حالت میں اس پر کراہت اور ممنوع ہونے کا حکم لگا دینا بھی محل نظر ہے۔

ترمذی شریف میں اسی لعنت والی حدیث کے حاشیہ میں ہے:

والمراد اظهار خساستهما لا ن الطبع السليم يتنفر عن فعلهما لا حقيقة اللعن وقيل المكروه اشتراط الزوج با لتحليل فى القول لا فى النية بل قد قيل انه ماجور بالنية لقصدالاصلاح كذا فى اللمعات (ترمذی شریف ج ا ص ۱۳۳)

اور درمختار میں ہے:

اما اذا اضمرا ذالك لا يكره وكان الرجل ماجورا لقصد الاصلاح ..... واجاب فى الفتح با نه لايلزم من قصدالزوج ذالك ان يكون معروفا به بين الناس انما ذالك فيمن نصب نفسه لذالك وصار مشتهرا به اھ (شامی ج ۲ ص ۴۴۷)

(جاری ہے)

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

نمائندگان اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کی تحریر کا تحقیقی جائزہ (قسط ۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ الکریم امابعد:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے بعض معزز اراکین کے نام ''نمائندگان اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان'' کی تحریر کی فوٹو کاپی نظر سے گذری جس میں انہوں نے وفاق المدارس سے الحاق اور بقاء الحاق کی اس اصولی شرط ''ادارہ کا اہل سنت والجماعت حنفی دیوبندی ہونا ضروری ہے اس کیلئے معیار المہند علی المفند ہے'' (ماہنامہ وفاق المدارس ربیع الاول ۲۵ ھ ص ۳۱) پر اعتراض کرتے ہوئے مذکورہ اراکین عاملہ کو لکھا ہے کہ ''ہم پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ ایسی شرط کو مجلس عاملہ کی منظوری سے روکا جائے''۔

ان حضرات نے اپنے اس پر زور مطالبہ کی بنیاد جن تین امور کو بنایا ہے وہ ان کے اپنے الفاظ میں یہ ہیں:

1۔ (الف) المہند میں حضرت محمد ﷺ کی حیات کے بارہ میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں دنیاوی حیات سے زندہ ہیں ان کی حیات برزخی نہیں ہے''

(ب) اس نظریہ کے ساتھ اختلاف بعض اکابر جن کے اسماء گرامی المہند میں موجود ہیں کا بھی ہے مثلاً حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بیان القرآن میں لکھا ہے کہ ''ان کی حیات برزخی ہے''۔

2۔ حضرت مفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخی ہے دنیوی نہیں ہے ان پر موت کا اطلاق بھی جائز ہے'' (کفایت المفتی)

3۔ اسی طرح حیات شہداء کی تفسیر نبوی میں ارواحھم فی اجواف طیر خضر (الحدیث)

سے بھی برزخی حیات کا ہی اشارہ ملتا ہے۔

نمائندگان اشاعۃ التوحید نے مذکورہ بالا امور سے یہ تأثر دینے کی کوشش کی ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات فی القبر کے بارے میں المہند کی عبارت، حدیث نبوی، بیان القرآن اور کفایت المفتی کے خلاف ہے اس لئے اسے دیوبندیت کا معیار اور وفاق سے الحاق کی شرط قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ نمائندگان اشاعت کا یہ دعویٰ چونکہ خلاف حقیقت اور غلط ہے اس لئے ہم ذیل میں ان امور کا منصفانہ اور تحقیقی تجزیہ پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ حقیقت سامنے آجائے اور المہند کی عبارت کے متعلق کسی قسم کا اشتباہ ومغالطہ باقی نہ رہے اس کے ساتھ ہم کتاب المہند کی عقائدی حیثیت کو بھی واضح کریں گے تا کہ وفاق المدارس کی تجویز کی اہمیت اور ضرورت بھی واضح ہوجائے ،فنقول وباللّٰہ التوفیق ۔

عقیدہ حیات النبی ﷺ

آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ (قبر شریف) میں جو حیات حاصل ہے وہ روح مبارک کے تعلق سے اسی دنیوی جسد اطہر کے ساتھ ہے جو روضۂ پاک میں محفوظ ہے اور اسی تعلق روح کی وجہ سے آپ روضۂ انور پر پڑھے گئے درود وسلام کو بغیر واسطہ کے علی الدوام سماعت فرماتے ہیں۔ اسی عقیدہ کو ''المہند علی المفند'' میں اکابر علماء دیوبند نے حیات دنیویہ برزخیہ سے تعبیر کیا ہے۔

حیات دنیوی اور برزخی کی تشریح

آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الوفات کو دنیوی حیات کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کی عالم برزخ کی حیات اسی دنیوی جسد اطہر میں ہے جو روضۂ اطہر میں محفوظ ہے نہ یہ کہ وہ حیات طیبہ بجمیع الوجوہ اسی دنیا والی حیات ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ فرماتے ہیں ''انبیاء کرام کو انہی اجسام دنیوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں'' (لطائف قاسمی)

اس عبارت سے حیات دنیوی کا مفہوم واضح ہے۔

آنحضرت ﷺ کی یہ حیات چونکہ دنیا میں نہیں بلکہ عالم برزخ میں ہے اس لئے ہم آنحضرت ﷺ کو عالم برزخ میں ہی فائز الحیات سمجھتے ہیں لیکن برزخی حیات میں علاقہ ظرفیت کا ہے نوعیت کا نہیں یعنی اس سے مراد حیات فی البرزخ ہے نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم برزخی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ حیات برزخی اور دنیوی میں مختلف جہات سے اجتماع ممکن ہے ان میں ایسا تضاد نہیں کہ یہ دونوں جمع نہ ہوسکیں، بزرگوں کے کلام میں جہاں اس حیات کو دنیویہ وبرزخیہ سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے یہی مراد ہے کہ یہ حیات اسی دنیا والے جسد اطہر میں بتعلق روح عالم برزخ میں ہے۔ حیات برزخی کا یہ مفہوم کہ عالم برزخ میں ایسی حیات جو دنیوی جسد اطہر میں نہیں ہے اور دنیوی جسد اطہر تعلق حیات سے یکسر خالی ہے بالکل غلط ہے، فریق مخالف ایسی ہی حیات کا قائل ہے اور وہ اسی کو حیات برزخی کہتا ہے اور ان کے نزدیک حیات برزخی میں علاقہ نوعیت کا ہے یعنی ایسی حیات جو دنیوی جسد میں نہ ہو بلکہ کسی اور برزخی بدن میں ہو (ماخوذ از رسالہ حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بتغیر)

فریق مخالف کا بیان کردہ حیات برزخی کا مذکورہ بالا مفہوم چونکہ صحیح نہیں ہے اسی لئے المہند میں بھی ''لابرزخیۃ'' سے آنحضرت ﷺ کیلئے قبر شریف میں ایسی حیات کی نفی کی گئی ہے۔

''المہند علی المفند'' کی اصل عبارت اور اس کی تشریح

1۔ (الف) عندنا وعند مشائخنا حضرة الرسالة صلى الله عليه وسلم حى فى قبره الشريف وحياته صلى الله عليه وسلم دنيوية من غير تكليف وهى مختصة به صلى الله عليه وسلم وبجميع الانبياء صلوات الله عليهم والشهداء لابرزخية كماهى حاصلة لسائر المؤمنين بل لجميع الناس كما نص عليه العلامة السيوطى فى رسالة "انباء الاذكياء بحيوة الانبياء" حيث قال، قال الشيخ تقى الدين السبكى حيوة الانبياء والشهداء فى القبر كحيوتهم فى الدنيا ويشهدله صلوة موسىٰ عليه السلام فى قبره فان الصلاة تستدعى جسداحيا الى آخرما قال "فثبت بهذا ان حياته دنيوية برزخية لكونها فى

عالم البرزخ ۔ولشیخناشمس الاسلام والدین محمدقاسم العلوم علی المستفیدین قدس اللّٰہ سرہ العزیزفی ھذہ المبحث رسالۃ مستقلۃ دقیقۃ الماخذبدیعۃ المسالك لم یرمثلھا قدطبعت وشاعت فی الناس واسمھا ''آب حیاۃ '' ای ماء الحیوۃ (المہند)

اس عبارت سے واضح ہے کہ لابرزخیۃ سے عالم برزخ کی حیات کی مطلقاً نفی نہیں کی جارہی بلکہ اس میں اس حیات برزخیہ کی نفی کی جارہی ہے جو عالم برزخ میں عام لوگوں کو حاصل ہے جیسا کہ عبارت کماھی حاصلۃ لسائرالمؤمنین بل لجمیع الناس کی تشبیہ سے واضح ہے اور جس سوال کا یہ جواب ہے اس کا منشا بھی یہی تھا، پس معلوم ہوا کہ المہند میں آپ ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخیہ کا انکار نہیں کیا گیا بلکہ برزخیہ سے اس کے برزخیہ ہونے اور لکونھا فی عالم البرزخ سے اس میں علاقہ ظرفیت کو بتایا گیا ہے اور برزخیۃ سے پہلے دنیویۃ فرما کر واضح کردیا گیا کہ یہ حیات دنیوی جسد اطہر میں ہے برزخیہ محضہ نہیں ہے اسی کو حیات دنیویہ اور برزخیہ کہا جاتا ہے اس معنی کے اعتبار سے دنیویہ اور برزخیہ میں کوئی تضاد نہیں ہے اور نہ ہی المہند کی پہلی عبارت ''لابرزخیۃ'' اور دوسری عبارت ''دنیویۃ برزخیۃ'' میں کوئی تعارض ہے کمالا یخفی علی المتأمل المنصف۔

غرضیکہ المہند کی تصریح فثبت بھذا ان حیاتہ دنیویۃ برزخیۃ لکونھا فی عالم البرزخ کے باوجود سخت حیرت ہے کہ نمائندگان اشاعۃ التوحید والسنۃ نے المہند کے حوالہ سے کیسے لکھ دیا کہ ''ان کی حیات برزخی نہیں ہے'' یاللعجب ،ہاں اس معنی کے اعتبار سے بے شک وہ حیات برزخی نہیں ہے جس معنی کے اعتبار سے ارباب اشاعۃ التوحید اسے حیات برزخی کہتے ہیں جس میں جسد اطہر سے روح مبارک کا کوئی تعلق نہ ہو چونکہ اہل سنت میں ایسی حیات برزخی کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اس لئے اس معنی کے اعتبار سے اس کی نفی بلاشبہ درست ہے کمامر تفصیلاً۔

تفسیر بیان القرآن کی عبارت کی وضاحت

(ب) بیان القرآن میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ آیت کریمہ ''ولاتقولوالمن

یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات الآیۃ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے.....حتی کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے کہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت وپوست ہو کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا اور مثل جسد زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں پس اس امتیاز کی وجہ سے شہداء کو احیاء کہا گیا اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں حتی کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواج احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مردے (بیان القرآن ص ۹۷)

بیان القرآن کی اس عبارت کو بغور پڑھنے سے واضح ہے حضرت تھانوی رحمہ اللہ شہداء اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کیلئے بعد الوفات جس حیات برزخی کے قائل ہیں وہ ایسی حیات نہیں ہے جس میں ان کے اجسام پر حیات کا اثر نہ ہو بلکہ حضرت کے ہاں بھی ایسی حیات مراد ہے جس کی قوت کا اثر شہداء کے اجسام تک پہنچتا ہو اور بیان القرآن کی اس عبارت میں یہ بھی تصریح ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اس حیات میں شہداء سے زیادہ قوت وامتیاز رکھتے ہیں، معلوم ہوا کہ یہ حیات برزخی ایسی نہیں ہے جس میں اجسام حیات سے خالی ہوں جیسا کہ اشاعۃ التوحید کا عقیدہ ہے۔

جب بیان القرآن کی اس عبارت میں اجساد پر بھی حیات کے آثار کی تصریح ہے اور اسی کا نام حیات دنیویہ بھی ہے تو پھر یہ المہند کے خلاف کیسے ہوگی؟ بالفرض اگر یہ عبارت المہند کے خلاف ہو تب بھی المہند کی عبارت ہی راجح ہوگی کیونکہ حضرت تھانوی قدس سرہ نے بیان القرآن کا یہ مقام جس میں حیات شہداء کی بحث ہے المہند سے پہلے لکھا ہے کیونکہ المہند شوال ۱۳۲۵ھ میں تصنیف کی گئی جبکہ بیان القرآن کی سورۃ بقرہ ربیع الاول ۱۳۲۳ھ میں مکمل ہوئی اب خود غور کر لیجئے کہ

تفسیر بیان القرآن میں المہند کے نظریہ سے حضرت نے کیسے اختلاف فرمالیا؟ یا للفہم۔

علاوہ ازیں خود حضرت حکیم الامت تھانوی نوراللہ مرقدہ نے حضور اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ یہ ہے:

اول بطور مقدمہ کے جانئے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک کیلئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر خود موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود یعنی مع تلبس روح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا بھی یہ اعتقاد تھا، الخ (رأس الربیعین ص ۵۰۸)

اسی وعظ میں دوسری جگہ فرماتے ہیں ''جب حضور ﷺ کا جسد اطہر موافقین ومخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ جس سے جسم مبارک خصوص مع الروح مس کئے ہوئے ہے عرش سے بھی افضل ہے'' (۵۱۴) نیز وعظ ''الکمال فی الدین'' (جو ۲۵ ذوالحجہ ۱۳۴۰ھ کو دھلی میں فرمایا) میں فرماتے ہیں: اور اولیاء سے زیادہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح کو اپنے اجسام سے تعلق رہتا ہے جس کے بعض آثار یہ ہیں کہ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی الخ (ص ۵۵)

اس میں صاف تصریح ہے کہ روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق ہے اور آپ ﷺ کے جسد اطہر کو بتعلق روح حیات حاصل ہے اسی کو حیات دنیویہ اور برزخیہ کہتے ہیں تو پھر یہ المہند کے خلاف کیسے ہوا؟ نمائندگان اشاعۃ التوحید غور فرماویں کہ کیا اس کے بعد بھی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کو المہند کے نظریہ سے اختلاف کرنے والوں میں شمار کرنا صحیح ہے؟۔

اور کیا موجودہ اشاعۃ التوحید حیات النبی ﷺ کی اسی تفصیل کے ساتھ قائل ہے جس کی تصریح حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے حوالہ سے اوپر نقل کی گئی ہے؟۔

کفایت المفتی کی عبارت کی تشریح

2۔ حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین اپنی قبور میں زندہ ہیں مگران کی زندگی دنیاوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی اور عام دوسرے لوگوں کی زندگی سے ممتاز ہے اسی طرح شہداء کی زندگی بھی برزخی ہے اورانبیاء کی زندگی سے نچلے درجے کی ہے دنیا کے اعتبار سے تو وہ سب اموات میں داخل ہیں انك میت و انهم میتون اس کی صریح دلیل ہے'' (کفایت المفتی ج ا ص ۱۶۸)

اشاعۃ التوحید کے نمائندگان کا اس عبارت سے یہ تأثر دینا کہ حضرت مفتی صاحب انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات دنیوی کے قائل نہیں سراسر غلط اور دھوکہ ہے کیونکہ اس فتویٰ میں واضح طور پر لکھا ہے کہ دنیا کے اعتبار سے وہ تو سب اموات میں داخل ہیں اس اعتبار سے وہ زندگی دنیوی زندگی نہیں ہے بلکہ برزخی ہے کیونکہ وہ حضرات برزخ میں زندہ ہیں نہ کہ دنیا میں، اب رہا یہ کہ عالم برزخ میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو جو زندگی اور حیات حاصل ہے وہ روحانی ہے جسم سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے تو یہ بات حضرت مفتی صاحب نے ہرگز نہیں لکھی اور نہ ہی وہ اس کے قائل ہیں بلکہ حضرت مفتی صاحب کا نظریہ اس بارہ میں وہی ہے جو ''المہند'' میں لکھا ہے اور اسی نظریہ پر وہ تمام کتاب کو بغور ملاحظہ فرما کر دستخط بھی فرما چکے ہیں، چنانچہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''صلوٰۃ وسلام کے ساتھ یارسول ویا حبیب ندا کے الفاظ سے پکارنا اس خیال سے کہ صلوٰۃ وسلام آنحضرت ﷺ کو فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیا جاتا ہے اور آپ تک ہماری ندا اور خطاب پہنچ جاتا ہے جائز اور درست ہے..... ہاں اس خیال اور اعتقاد سے ندا کرنا کہ آنحضرت ﷺ کی روح مبارک مجلس مولود میں آتی ہے اس کا شریعت مقدسہ میں کوئی ثبوت نہیں اور کئی وجہ سے یہ خیال باطل ہے اول یہ کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ کی روح مبارک کا مجلس مولود میں آنا بدن سے مفارقت کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقہ سے اگر مفارقت کر کے مانا جائے تو آپ کا قبر مبارک میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے تو یہ صورت علاوہ اس کے کہ بے ثبوت ہے باعث توہین ہے نہ کہ موجب تعظیم'' (کفایت المفتی ج ا ص ۱۵۹، ۱۶۰)

نیز ماہنامہ تعلیم القرآن جنوری ۱۹۶۰ء میں حضرت مفتی صاحب موصوف کے حوالہ سے لکھا ہے ''لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اس کو جماعت اہل سنت سے خارج نہیں کرنا چاہئے'' (خدام الدین لاہور)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ حیات دنیویہ کی نفی عالم دنیا کے اعتبار سے ہے نہ کہ تعلق روح بالجسد کے اعتبار سے اور ظاہر ہے کہ اس دنیا میں آپ ﷺ کی حیات کا اہل حق میں کوئی بھی قائل نہیں ہے جن حضرات نے دنیوی حیات کی نفی کی ہے وہ اسی معنی کے اعتبار سے کی ہے ورنہ اہل حق عالم برزخ میں جسد اطہر کی بتعلق روح حیات پر متفق ہیں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی بھی اسی حیات کے قائل ہیں ان کا نظریہ اس بارہ میں ''المہند'' کے بالکل مطابق ہے۔

حیات شہداء وانبیاء کرام علیہم السلام کی تحقیق

حق تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون (پ ۲) اس سے معلوم ہوا کہ شہداء کی حیات جسمانی حیات ہے صرف روحانی نہیں ہے اس لئے کہ قتل فعل حسی ہے اس کا محل جسم ہے نہ کہ روح لہٰذا جو جسم قتل کا محل ہے وہی جسم حیات کا بھی محل ہوگا اور جسم کی حیات روح کے تعلق کا تقاضا کرتی ہے۔

علامہ عبدالحق مکی ''اکلیل شرح مدارک التنزیل'' میں لکھتے ہیں: فذھب کثیر من السلف الی انھا حیاۃ حقیقیۃ بالروح و الجسد ولکنا لا ندرك ولا نعلم حقیقتھا لانھا من احوال البرزخ التی لا یطلع علیھا (اکلیل ج۲ص۲۹)

حضرت علامہ آلوسی رحمہ اللہ شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واختلف فی ھذہ الحیاۃ فذھب کثیر من السلف الی انھا حقیقیۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندرکھا فی ھذہ النشأۃ (روح المعانی ج۲ص۲۰)

علامہ قاضی شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ورد النص فی کتاب اللّٰہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین (نیل الاوطار ج۳ص۲۲۴)

جمہور مفسرین اور اکابر علماء متقدمین کی تصریحات کے مطابق شہداء کو جسدی حیات حاصل ہے ان کی حیات فقط روحانی نہیں ہے جب حضرات شہداء کرام کی حیات برزخی دنیوی حیات ہے تو پھر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات برزخی بطریق اولیٰ جسدی اور دنیوی ہوگی لیکن یاد رہے کہ دنیوی سے مراد عالم دنیا میں نہیں بلکہ دنیوی جسد میں حیات مراد ہے آیت قرآنی ولا تقولوا الآیۃ سے یہی اشارہ ملتا ہے اور مفسرین اسی کو راجح فرمارہے ہیں۔

حیات شہداء سے متعلق حدیث نبوی کی تشریح

3۔ اب رہی حدیث نبوی ارواحھم فی طیر خضر (جس کا ذکر نمائندگان اشاعۃ التوحید والسنۃ نے بھی اپنی تحریر میں کیا ہے) یا اس قسم کی بعض وہ روایات جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء اور مؤمنین کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں اور وہ احادیث صحیحہ جن میں یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح طیبہ رفیق اعلیٰ یا اعلیٰ علیین میں قیام پذیر ہیں تو وہ اس حیات جسدی کے ہرگز منافی نہیں ہیں اس لئے کہ ارواح کا مقر علیین یا سجین میں ہونا قبر میں حیات حاصل ہونے کی خلاف نہیں ہے کیونکہ علیین یا سجین میں ارواح کا مستقر ہوتے ہوئے بھی فی الجملہ ان کا اتصال وتعلق قبروں میں اپنے اپنے اجسام کے ساتھ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کو لذت یا کلفت کا ادراک واحساس ہوتا رہتا ہے اور وہ اس تعلق کی وجہ سے منکر ونکیر کے سوال کا جواب دیتے اور عند القبر سلام کرنے والوں کا سلام سنتے ہیں۔اس طرح ان دونوں قسم کی روایات میں کسی قسم کا تعارض نہیں رہتا ان میں ظاہری تعارض کے رفع کیلئے مذکورہ تطبیق کو حضرات علماء کرام نے بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔چنانچہ بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں:

وجہ التطبیق ان مقرارواح المؤمنین فی علیین اوفی السماء السابعۃ کما مر ومقرارواح الکفارفی سجین ومع ذلك لكل روح منها اتصال بجسده فی قبره لایدرك كنهه الا اللّٰه تعالی وبذلك الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعده من

الجنة والنار ويحس اللذة والالم ويسمع سلام الزائر ويجيب المنكر والنكير ونحو ذلك مما ثبت بالكتاب والسنة (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۵)

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: فالروح هناك لها اتصال بالبدن في القبر واشراف عليه وتعلق به بحيث يصلي في قبره ويرد عليه سلام من سلم وهي في الرفيق الاعلى (کتاب الروح ص ۵۴)

نیز فرماتے ہیں: وبعد وفاته استقرت في الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق راى موسى قائما يصلي في قبره (زاد المعاد ج ۲ ص ۴۹)

حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ حدیث شریف انما نسمة المؤمن طير تعلق في شجر الجنة حتى يرجعه الله في جسده يوم يبعثه کے تحت فرماتے ہیں ''اس سے معلوم ہوا کہ یوم بعثت تک ارواح مؤمن کا مستقر شجر جنت ہے پس یہ صریح ہے اس میں کہ اعادہ الی الارض منافی اس قرار فی الجنۃ کے نہیں یا تو اس طرح کہ اول یہ اعادہ ہوتا ہو پھر سوال نکیرین کے بعد عروج الی السماء ہوتا ہو یا اس طرح کہ یہ اعادہ اور قرار فی الجنۃ مختلف حیثیتوں سے ایک وقت میں مجتمع ہو جاتے ہوں یعنی اصل قرار تو جنت میں ہو اور قبر میں اصل قرار نہ ہو کچھ تعلق جسد سے ہو خواہ وہ جسد اصلی حالت پر ہو یا مستحیل ہو گیا ہو اور یہ تعلق صرف اتنا ہو کہ جس سے ادراک نعیم والم ہو سکے'' الخ (امداد الفتاوی ج ۵ ص ۴۱۹)

اکابر کی ان تصریحات سے واضح ہے کہ حدیث نبوی ارواحهم في طير خضر عالم برزخ میں شہداء کی حیات جسدی کے منافی نہیں ہے، پس نمائندگان اشاعۃ التوحید کا اس کو اپنے مدعا پر بطور دلیل پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔

تفصیل بالا سے واضح ہے کہ ''المہند'' کی عبارت بالکل صحیح و درست ہے اور قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔

(جاری)

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج

تحقیقی جائزہ (قسط ۱۸)

هل البروالتقوى لفظان بمعنى واحد

قال القرطبي :ثم قيل :البر والتقوى لفظان بمعنى واحد ۔ وكرر باختلاف اللفظ تاكيدا ومبالغة اذ كل برتقوى وكل تقوى بر۔

قال ابن عطية :وفي هذاتسامح والعرف في دلالة هذين اللفظين ان البر يتناوله الواجب والمندوب اليه والتقوى رعاية الواجب۔ فان جعل احدهمابدل الأخر فيتجوز۔

الحكمة في القرآن التعاون بالبروالتقوى

وقال الماوردي :ندب اللّٰه سبحانه وتعالى الى التعاون بالبر وقرنه بالتقوى له لان في التقوىٰ رضااللّٰه تعالى وفي البر رضاالناس ومن جمع بين اللّٰه تعالى ورضاالناس۔

وجوه التعاون على البر والتقوىٰ

قال ابن خويزمنداد في احكامه :والتعاون على البر والتقوى يكون بوجوه فواجب على العالم ان يعين الناس بعلمه فيعلمهم ويعينهم الغني بماله والشجاع بشجاعته في سبيل اللّٰه تعالى ۔ وان يكون المسلمون متظاهرين كاليد الواحدة المؤمنون تتكافؤ دمائهم ويسعىٰ بذمتهم ادناهم وهم يدعلى من سواهم ۔

يجب الاعراض عن المتعدى

ويجب الاعراض عن المتعدى وترك النصرة له ورده عماهوعليه ثم نهىٰ فقال :"ولا تعاونوا على الا ثم والعدوان "وهوالحكم اللاحق عن

الجرائم وعن العدوان وهوظلم الناس ثم امر بالتقوى وتوعد مجملا فقال:
"واتقوا الله ان الله شديد العقاب "

المسئلة الاولى فيه

يعنى ان كان المقصد حسنا فمقد ماته ملحق به ويكون حسنا بحسنه و ان كان قبيحا فمقدماته كذلك وهواكثر مايستعمله اهل التربية من المشائخ۔

المسئلة الثانية

نص عليه حكيم الامة التهانوى فى مسائل السلوك له ۔

المسئلة الثالثة

كما قال ابوالسعود : وانما اخر النهى عن الامر مع تقدم التخلية على ان التخلية مسارعة الى ايجاب ماهو مقصود بالذات فان المقصود من ايجاب ترك التعاون انما هو تحصيل التعاون على البر والتقوى۔

حضرت مفتی صاحب سورۂ مائدہ کی آیت نمبر۲ وتعاونوا على البروالتقوى ولاتعاونوا على الائم والعدوان واتقوالله ان الله شديدالعقاب کے تحت علامہ جصاص کے حوالے سے باہمی تعاون وتناصر کا اصول بیان فرماتے ہیں: اس کا ظاہری تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی ہر اطاعت پر تعاون کرنا ضروری ہے کیونکہ نیکی اللہ کی طاعات ہیں اور اللہ کی معاصی میں معاونت کی ممانعت ہے ۔اللہ تعالیٰ خیرات کے کاموں میں تعاون کا حکم دیتے ہیں اور یہی نیکی ہے اور ترک منکرات یہ تقویٰ ہے اور باطل کام کی نصرت کرنا، گناہ ومحارم میں تعاون کرنا ممنوع ہے ۔

علامہ ابن جریر فرماتے ہیں کہ: جس کام کے کرنے کا اللہ نے حکم دیا اس کو ترک کرنا گناہ ہے اور جو اللہ نے تم پر اور تمہارے غیروں پر فرض کیا ہے اس سے تجاوز اختیار کرنا عدوان میں شامل ہے ۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرخواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو، پوچھا گیا یا رسول اللہ! مظلوم کی نصرت تو ہے ظالم کی نصرت کیسے کی جائے، آپ نے فرمایا کہ تو اسے ظلم سے باز رکھے اور روکے یہ اس کی نصرت ہے ۔ایسی ہی روایت حضرت انس سے بھی مروی ہے۔حضرت

عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ نیکی پر رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کی طرح ہے۔

کیا البر اور التقوی دونوں لفظ ہم معنی ہیں

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ:

البر اور التقویٰ دونوں ہم معنی لفظ ہیں، ان الفاظ کا تکرار بطور مبالغہ اور تاکید ہے۔ علامہ ابن عطیہ فرماتے ہیں کہ اس قول میں تسامح ہے۔ ان دونوں الفاظ کی دلالت پر عرف کے اعتبار سے یہ فرق ہے کہ "البر" واجب اور مستحب دونوں کو شامل ہے جبکہ "التقویٰ" واجب کی رعایت کے طور پر استعمال ہوتا ہے، اگر ایک لفظ کو دوسرے کی جگہ استعمال کیا جائے تو اس کا بھی جواز ہے۔

قرآن میں البر اور التقویٰ سے تعاون کی حکمت

علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے البر کے ساتھ تعاون مندوب قرار دیا ہے اور اسی لئے اس کے ساتھ تقویٰ ملایا ہے، کیونکہ تقویٰ میں رضاء الٰہی ہوتی ہے اور بر میں انسانوں کی رضا ہوتی ہے، پس جس شخص نے رضاء الٰہی اور رضاء انام دونوں جمع کر لیں تو اس پر سعادت تام اور نعمت عام ہوگئی۔

البر اور التقویٰ میں تعاون کی صورتیں

ابن خویز منداد احکام القرآن میں فرماتے ہیں کہ:

برّ اور تقویٰ پر تعاون کی کئی صورتیں ہیں، پس عالم پر ضروری ہے کہ لوگوں کی اپنے علم سے اعانت کرے انہیں تعلیم دے اور غنی شخص اپنے مال کے ذریعے ان لوگوں کی اعانت کرے اور شجاع شخص اللہ کے راستہ میں اپنی شجاعت سے اعانت کرے۔ مسلمان ایک دوسرے کے ایسے معاون و مددگار ہیں جیسا کہ ایک ہاتھ ہوتا ہے، تمام مسلمانوں کے خون برابر محترم ہیں وہ اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی میں کوشاں ہیں اور اپنے مخالفین کے خلاف وہ متحد ہیں۔

حد سے تجاوز کرنے والے سے اعراض کرنا

علامہ قرطبی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ: حد سے تجاوز کرنے والے سے اعراض کرنا واجب ہے، اس کی نصرت و مدد نہ کرنا اور جس منکر میں وہ مبتلا ہے اس سے منع کرنا شامل ہے۔

پھر فرمایا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اور تم گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو''۔

یہ حکم تمام جرائم اور عدوان کے کاموں کو شامل ہے، کیونکہ یہ انسانوں پر ظلم کی وجہ سے حکم دیا گیا ہے پھر تقویٰ کا حکم دیا گیا اور اجمالی طور پر ڈرایا بھی گیا کہ ارشاد ربانی ہے: ''اور تم اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے''۔

نیک اور برے مقصد کے مقدمات کا حکم

اس سے ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا فرماتے ہیں کہ: اگر کسی کام کا مقصد اچھا ہو تو اس سے متعلقہ مقدمات بھی اچھے ہوں گے، اگر مقصد برا ہو تو اس سے متعلقہ مقدمات بھی برے ہوں گے، یہ وہ اہم اصول ہے جو مشائخ حضرات مریدین کی تربیت میں استعمال کرتے ہیں۔

امر کا نہی پر مقدم کرنا

یہاں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے یہ مسئلہ بھی مستنبط فرمایا ہے کہ: یہاں امر کو نہی پر مقدم کرنے سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تحلیہ کو تخلیہ پر مقدم کیا گیا ہے۔ اس بات کی صراحت حضرت تھانوی نے اپنی تصنیف ''مسائل السلوک'' میں فرمائی ہے۔

مقصود بالذات کے واجب کرنے میں جلدی کرنا

ابوسعود نے فرمایا کہ: آیت میں نہی کو امر سے مقدم کیا باوجودیکہ تخلیہ تحلیہ پر مقدم ہوتا ہے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقصود بالذات کو واجب کرنے اور حاصل کرنے میں جلدی کرنی چاہئے، واجب کرنے میں مقصود ترک تعاون ہے اور بر اور تقویٰ پر تعاون کے حصول کا ایجاب ضروری ہے۔

عدم موالات کفار

قولہ تعالیٰ: یایھاالذین امنوالاتتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتواالکتاب من قبلکم والکفار اولیاء واتقواللّٰہ ان کنتم مؤمنین ۔

فیہ ترتب النھی عن موالاتھم علی استھزائھم

قال المظھری: رتب النھی عن موالاتھم علی استھزائھم ایماء الی علۃ النھی من باب ترتب الحکم علی دلیلہ وتنبیھا علی ھذاالوصف

یوجب المعادات فکیف یجوز موالاتھم۔

جوازالاستعانة بالکفار اذا کان حکم الاسلام ھوالغالب علیھم وتوجیه ماجاء من السنة فی ذٰلك

قال الشیخ العثمانی :والذی قاله بعض المحققین ھوماذکرہ محمد بن الحسن الامام فی السیر الکبیر حیث قال ولابأس بان یستعین المسلمون باھل الشرك علی اھل الشرك اذاکان حکم الاسلام ھوالظاھر علیھم .

سورۂ مائدہ آیت نمبر ۵۷ یاایھاالذین امنوا لاتتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا اللّٰہ ان کنتم مؤمنین کے تحت علامہ مظہری کے حوالے سے مسئلہ عدم موالات کا ذکر فرماتے ہیں کہ: اس آیت میں اہل کتاب کے استہزاء کی وجہ سے ان سے موالات یعنی دوستی کی مخالفت وممانعت ہے۔

اس میں ممانعت کی علت سے اصول فقہ کے اصول کہ ''حکم علت پر مرتب ہوتا ہے'' کی طرف اشارہ ہے۔اس سے اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ یہ وصف کہ استہزاء کے باوجود دوستی کرنا آپس میں عداوت کا سبب بنتا ہے تو دوستی وموالات کیسے جائز ہوگی۔

۷۔احکام اقتصادیہ ومالیہ

جن کا تعلق افراد کے مالی حقوق،التزامات مالیہ،حقوق مملکت،اس کے واجبات اور خزانہ کی جگہوں کو منظم کرنا اوراس کے اخراجات سے ہو۔ان سے مقصود فقراء واغنیاء اورمملکت وافراد کے مابین مالی تعلقات کا استوار کرنا ہے۔اور یہ دولت خاصہ اورعامہ دونوں کو شامل ہے جیسے غنیمتیں،نفل کے طور پر دیا جانے والا مال،عشر،خراج،زمین کی کانوں سے نکلنے والا مال،اور طبیعت کی جگہیں،اوراجتماعی اموال جیسے زکوۃ،صدقات،منتیں،قرض،اورخاندانی اموال جیسے نفقات، وراثت، وصیتیں اورافرادی اموال جیسے تجارت،اجارہ اورشرکتوں کے منافع،اورغلہ وبڑھوتری وغیرہ کے اسباب اورعقوبات مالیہ جیسے کفارات،دیتیں اورفدیہ۔

(جاری ہے)

تعارف کتب

نام کتاب: تحفظ ختم نبوت کی صد سالہ تاریخ مرتب :مولانا مشتاق احمد چنیوٹی زید مجدہم

صفحات : ۸۶۴ ناشر:انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ پاکستان

تحفظ ختم نبوت کے عشاق وجانثاران ختم نبوت کی قربانیوں کی تاریخ بہت طویل ہے ہر دور میں علماء نے ختم نبوت کے تحفظ کی خاطر تن من دھن کی بازی لگائی اور کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔گذشتہ صدی میں جب مفتری اعظم ،دجال اکبر مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا دعوی کیا تو علماء نے ایک بار پھر ماضی کی یادیں تازہ کردیں۔زیر نظر کتاب میں مولانا مشتاق احمد زید مجدہم نے تحفظ ختم نبوت کی سو سالہ تاریخ اور جانثاران ختم نبوت کی قربانیوں،لازوال داستان کو یکجا کردیا ہے۔امید ہے کہ کتابت کی اغلاط کی تصحیح آئندہ ایڈیشن میں کردی جائے گی۔

نام کتاب:گنجینۂ علم وعرفان افادات:شیخ الحدیث مولانا سید شیر علی شاہ المدنی مدظلہم

ترتیب: صاحبزادہ حافظ محمد طیب حقانی صفحات:۳۱۶ ناشر: القاسم اکیڈمی نوشہرہ

شیخ الحدیث مولانا شیر علی شاہ مدظلہم کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں زیر نظر کتاب آپ کے ان علمی جواہر پاروں کا مجموعہ ہے جو نایاب موتیوں کی صورت میں بکھرے ہوئے تھے اللہ تعالی جزائے خیر عطا فرمائے صاحبزادہ حافظ محمد طیب کو کہ انہوں نے ان منتشر موتیوں کو یکجا کر کے شائع کیا،انداز تحریر عمدہ عام فہم اور سلیس ہے کتاب عوام وخواص کیلئے یکساں مفید ہے۔

نام کتاب:مصباح المعانی شرح اردو منیۃ المصلی مصنف:مولانا ولی اللہ صاحب زید مجدھم

صفحات: ۲۵۶ ناشر: بادشاہ گل چاپ خانہ

منیۃ المصلی فقہ کی مشہور کتاب ہے تقریباً سات صدیوں سے مدارس عربیہ میں پڑھی پڑھائی جارہی ہے اس کی دو عربی شروحات صغیری اور کبیری کے نام سے اہل افتاء کے ہاں مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں زیر نظر کتاب منیۃ المصلی کی اردو شرح اور ترجمہ پر مشتمل ہے جو کہ ان شاء اللہ تعالی طلبہ اور اساتذہ کیلئے مفید ہوگی۔البتہ کمپوزنگ اور اردو زبان کی تصحیح کی ضرورت ہے امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی طرف توجہ کی جائے گی۔(ع،ن،ت

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

اخبار الجامعہ

۲۳ر شعبان المعظم: حضرت صدر جامعہ مدظلہم نے مدرسہ ربیع القرآن فروکہ تحصیل ساہیوال میں تین طلبہ کے ختم قرآن کے موقع پر ان کو آخری سبق پڑھایا اور بیان فرمایا۔

۲۴ر..... جامعہ صدیقیہ گروٹ ضلع خوشاب میں حفظ قرآن کریم کے موقع پر جناب مولانا حافظ عبدالسلام کی دعوت پر تفصیلی بیان فرمایا جس میں خصوصاً مسلمانوں کو قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے کی ترغیب دی گئی اور دینی مدارس کی خدمات اجاگر فرمائیں۔

۲۵ر..... چک ۳۳ جنوبی میں طلبہ میں تقسیم انعامات کے موقع پر بیان فرمایا اور طلبہ میں انعامات تقسیم فرمائے

۲۶ر..... حضرت اقدس سیدی ومرشدی نواب عشرت علی خان قیصر دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں حاضری ہوئی، حضرت اقدس مدظلہ نے خصوصی شفقت فرماتے ہوئے خاص وقت عنایت فرمایا اور خصوصی ہدایات اور دعاؤں سے نوازا، اس سفر میں مولانا سید عبدالملک ترمذی اور مولانا سید عبدالناصر ترمذی زید مجدہما بھی ہمراہ رہے اور لاہور سے محترم جناب قاری عبدالواحد صاحب مدظلہ بھی بہترین رفیق سفر رہے۔

۲۸ر..... جامعہ حقانیہ للبنات میں ختم بخاری شریف کرائی اور بیان فرمایا۔ مدرسہ حفصہ پٹھانکوٹ تحصیل ساہیوال میں درجہ کتب کی تعلیم کا آغاز کرایا۔

۲۹ر..... جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ پڑھایا اور عصر کے بعد مدرسہ حقانیہ میں درس قرآن دیا۔

۲ر رمضان المبارک: حضرت صدر جامعہ مدظلہ کے دولت خانہ پر خواتین کا پروگرام ہوا اس میں ایک گھنٹہ بیان فرمایا جس میں انہیں رمضان المبارک گذارنے کا اسلامی طریقہ بتایا کہ ایک مسلمان عورت کو رمضان المبارک کیسے گذارنا چاہئے۔

۶ر..... جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ پڑھایا اور عصر کے بعد مدرسہ حقانیہ میں درس قرآن دیا۔

۹ر..... حضرت مدظلہ کے دولت خانہ پر خواتین میں اصلاحی بیان ہوا۔

۱۳ر..... جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ پڑھایا اور عصر کے بعد مدرسہ حقانیہ میں درس قرآن کریم دیا۔

۱۶ر.....حضرت مدظلہ کے دولت خانہ پر خواتین میں تفصیلی واصلاحی بیان ہوا۔

۱۹ر.....حضرت مدظلہ تراویح وغیرہ سے فراغت کے بعد جامع مسجد حقانیہ میں کم ازکم ایک گھنٹہ روزانہ تشریف فرماہوتے ،جس میں معتقدین حضرات کومختلف موضوعات پر اپنے قیمتی ارشادات سے مستفید فرماتے ،یہ سلسلہ یکم رمضان المبارک سے باقاعدہ جاری رہااورآج اس سلسلہ کی اس ماہ مبارک میں آخری مجلس ہوئی ،اس سے اگلے روزتراویح کے بعدمختلف مقامات پرختم قرآن مجید کےموقعوں پر بیانات کا سلسلہ جاری رہا، جوآخر رمضان تک ہررات ہوتا رہا۔

۲۲ر.....میانی تحصیل بھلوال میں تراویح میں ختم قرآن کےموقع پر بیان فرمایا۔

۲۳ر.....حضرت مدظلہم کے دولت خانہ پرخواتین کے پروگرام میں مولانا محمداشرف صاحب سرگودھا کی اہلیہ نے بیان کیا،آخر میں مولانا نے بھی بیان فرمایااوردعا کرائی۔

۲۴ر.....مسجدکارپوریشن سرگودھااورعزیز ٹاؤن سرگودھامیں جامعہ حقانیہ کی شاخ میں ختم قرآن کریم کےموقع پربیانات فرمائے۔

۲۶ر..... جامع مسجدامدادفیصل آباد میں درجہ حفظ قرآن کریم کے طلبہ کی تقریب تقسیم انعامات میں مولانا محمداشرف صاحب سرگودھا کے بیان کے بعدحضرت صدرجامعہ مدظلہ نے بیان فرمایا، الٰہیہ مسجد،اورابوحنیفہ مسجدسرگودھامیں ختم قرآن مجید کےموقع پربیان فرمائے۔

۲۸ر..... جامع مسجدحقانیہ ساہیوال میں ختم قرآن کریم کےموقع پر بیان فرمایا،مولانا ظفراللہ صدرمدرس جامعہ ہذا کا بھی بیان ہوااورآخر میں حضرت مولانا عبدالغفارتونسوی مدظلہم کا ہوا۔

یکم شوال المکرّم: عیدگاہ حقانیہ تحصیل ساہیوال میں تفصیلی بیان کے بعد۱۰بجے عیدالفطر کی نماز پڑھائی ،آپ کے بیان سے قبل جناب سیدعبدالودودترمذی،مولوی سیدعبدالناصرترمذی،مولوی سیدعبدالملک ترمذی نے بھی مختصر بیان کیا۔

۷ر..... جامعہ ہذا کے سابق مدرس مولانا مفتی محمدمحسن صاحب زیدمجدہ کے نکاح کے سلسلہ میں کبیروالاتشریف لے گئے ،نکاح وشادی کے موضوع پر تفصیلی بیان فرمایا، پھرنکاح کا خطبہ پڑھااور حضرت شیخ الحدیث مولانا ارشاداحمدصاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم کبیروالا نے ایجاب وقبول کرایا۔

۱۰ر.....ادارہ غفران راولپنڈی میں جناب مولانا مفتی محمد رضوان صاحب کی دعوت پر شوریٰ کے اجلا میں شرکت فرمائی۔

۱۱ر.....سرگودھا میں مولانا محمد حیات صاحب کے والد محترم اور حافظ عبدالستار صاحب کی تعزیت اور مولانا عبدالرحیم صاحب کی تیمارداری فرمائی۔

۱۲ر..... جامعہ ہذا کے شعبہ درس نظامی بنین میں آج تعلیم کا آغاز ہوا، جناب چودھری محمد معصوم صاحب کی دختر نیک اختر جامعہ حقانیہ للبنات کی سابقہ معلّمہ کا نکاح مسنون پڑھایا اور ظہر کے بعد ایک دوسرے نکاح کی تقریب میں شرکت فرمائی۔

۱۵ر..... جامعہ حقانیہ للبنات میں تعلیم کا آغاز کرایا، بخاری شریف کی پہلی حدیث پر درس دیا۔

۱۶ر..... مدرسہ عائشہ للبنات ساہیوال میں ریاض الصالحین کے درس سے اور مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ مبارے خان میں مشکوٰۃ شریف کے درس سے تعلیم کا افتتاح کرایا اور بیانات فرمائے۔

۱۷ر..... جامعہ امدادیہ فتحیہ للبنات سلانوالی میں ماہانہ درس کے موقع پر بخاری شریف کا درس دیا۔

۱۹ر..... مدرسہ عربیہ اسلامیہ فیصل آباد میں مفتی محمد اعظم کی دعوت پر بیان کے بعد جمعہ پڑھایا۔

۲۰ر..... جامعہ ہذا میں تخصص فی الفقہ کے طلبہ کا تقریری امتحان اور اگلے روز تحریری امتحان منعقد ہوا۔عشاء کی نماز کے بعد جامع مسجد گنبد والی فروکہ میں بیان فرمایا۔

۲۱ر.....مدرسہ حسینیہ سلانوالی میں عصر کی نماز کے بعد بعض اہم امور پر مشورے ہوئے۔

۲۲ر.....مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھا کے سابق استاذ حضرت مولانا محمد صادق صاحب مدظلہ کی دختر نیک اختر کا کوٹ فرید میں نکاح مسنون پڑھایا۔ظہر کے بعد ونی عیدگاہ تحصیل ساہیوال میں جناب حکیم محمد ریاض صاحب سکنہ محلّہ حسین آباد ساہیوال کے والد ماجد جناب مولانا عبدالشکور رحمہ اللہ کا جنازہ پڑھایا مولانا مرحوم حضرت اقدس مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ کے خاص تلمیذ اور بڑے جانثار تھے اللہ تعالیٰ انکی مغفرت فرماویں اور پسماندگان کو صبر واجر عطا فرمائیں۔

۲۴ر.....آج بعد ظہر تخصص فی الفقہ کے طلبہ کو عقود رسم المفتی کا پہلا سبق پڑھا کر ان کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز کرایا طلبہ کو خصوصی ہدایات کے بعد دعا کرائی۔